



ALAHAZRAT NETWORK

اعلیٰ حضرت نیٹ ورک

www.alahazratnetwork.org

تراویح میں بسم اللہ سے متعلق رائج قول کو بیان کرنا

وصاف الرجب فی بسمۃ التراويح

۱۴۳۲ھ

تصنیف لطیف :-

اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا

ALAHAZRAT NETWORK

اعلیٰ حضرت نیٹ ورک

www.alahazratnetwork.org

وصاف الرجیح فی بسملۃ التراویح

(تراویح میں بسم اللہ سے متعلق رائج قول کو بیان)

(ختم تراویح میں ایک بار جہر سے بسملہ پڑھنے کا بیان)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مسئلہ از اوصیاء، مکان میرزا دم علی صاحب اسسٹنٹ، مدرسہ حاجی ملا محمد یعقوب علی خاں صاحب

۲۶ رجب ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں تمام بلاد ہندوستان میں کہ سب اہل سنت و جماعت بفضلہ تعالیٰ حنفی المذہب ہیں ہمیشہ سے یہی رواج دیکھا سنا کہ تمام حفاظ قرآن تراویح میں بسم اللہ شریف سارے قرآن مجید میں کسی نہ کسی سورت پر بس ایک بار آواز سے پڑھ لیتے ہیں اور بعض لوگ پیدا ہوئے کہ اس میں بہت جھگڑا اٹھاتے ہیں زید کہ اس کا رسالہ مرسل خدمت والا ہے باتباع دو مولویوں گنگوہی و پانی پتی کے دعویٰ کرتا ہے کہ تراویح میں بسم اللہ بالجہر ہر سورت کے سرے پر ماسوا سورہ برأت کے از بس لازم ہے ورنہ ایک سوتیرہ، اور کبھی کہتا ہے ایک سوچودہ آیت کا نقصان لازم آئے گا، بسم اللہ کا جزویت اور غیر جزویت ہونا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آج تک تواتر منقول ہے حنفیہ کے نزدیک بھی علی سبیل القطع والتواتر ہے متفق علیہ، بلکہ اجماع امت متفق ہیں عمرو نے اس جہر سے انکار کیا، اس پر زید نے اُسے کہا بتسویل نفسانی منہمک سیات کے ہوا اور تخریب دین محمدی میں کمر باندھ کر اصول و قواعد دینیہ سے برطرف ہوا، اس رسالہ میں ایک عبارت اور دو فتوے مولوی من مذکورین سے نقل کئے صفحہ ۵ پر لکھا قاری عبد الرحمن صاحب پانی پتی تبیین الضاد ترجمہ تحفہ تذریب میں فرماتے ہیں جان لو کہ جب اہل قراءت کا اس امر میں اختلاف ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کا جہر ہے یا نہیں، پس تمام قرآن کو تراویح میں پڑھنے

والے پڑ جو ان قاریوں کی قرات پڑھے جو بسم اللہ کو ہر سورت کا بجز وجہ جانتے ہیں واجب ہے کہ بسم اللہ کو ہر سورت کے سرے پر پکار کر پڑھے ورنہ ختم قرآن مجید میں سے اس کو ایک سو چودہ آیتوں کا کم کرنا اور ترک کر دینا لازم آتا ہے اور جائز نہیں ہے، ان شہروں میں جہاں کے اکثر باشندے حنفی مذہب رکھتے ہیں اس کے خلاف دستور ہے، پس معلوم نہیں اس ترک و غفلت کا کیا سبب ہے فقط صفحہ ۸ پر لکھا "استفتاء مولوی رشید احمد گنگوہی، بسم اللہ کا ہر سے پڑھنا تراویح میں مضائقہ نہیں اور نماز میں اس سے کوئی قباحت نہیں ہوتی یہ بھی قراء کا مذہب ہے اگر حضرت حفص کی اقتدار کو درست و مقبول ہے اور جو حسب مذہب حنفیہ نہ پڑھے تاہم کوئی عیب نہیں سب حق پر ہیں سب کے مذاہب صحیح و درست ہیں لیکن حفاظ قرآن مجید کو لازم ہے کہ پڑھا کریں ورنہ بموجب فرمان مولوی عبدالرحمان صاحب کے عند الحنفی ختم میں نقصان رہے گا فقط واللہ اعلم کتبہ رشید احمد گنگوہی، صفحہ ۸ پر لکھا "استفتاء قاری عبدالرحمن صائغ پانی پتی، زمانہ قراء بعد کا زمانہ اجتہاد و عمل بالسنہ کا تھا زمانہ تابعین کا تھا اور مذہب مسائل اجتہاد یہ میں ہوتا ہے نہ منقولہ میں اور مدار قراء کا فقط روایت و صحت پر ہے اور فرار سب اپنی اپنی قرات کی روایت صحیح رکھتے ہیں اس میں دخل مذہب کو نہیں ہے لہذا قرات میں کسی اہل ہوا کا خلاف نہیں ہے۔ ائمہ مذہب تا زمانہ قراء محتاج الیہ و محصور نہ تھے بلکہ بعد قراء کے تھے ائمہ قرات کو پوچھنا کہ کیا مذہب رکھتے تھے حتیٰ ہے بعد صحت روایت کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پھر حاجت کسی مذہب اور کسی اجتہاد کی نہیں ہے اذ اصح الحدیث فہو مذہبی (جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔ ت) قول احناف کا ہے جب مد صحت روایت پر مذہب اربعہ میں ہوا پھر جو کوئی کسی مذہب کا کسی قاری کی قرات پڑھے گا اس کی قرات میں جو ہو اس کی اتباع کرنے جو کہ امام عاصم کی قرات میں بروایت حفص بسم اللہ درمیان ہر دو سورت کے ثابت ہے روایت، اور کہیں حنفیہ کی کتب میں مانعت قرات عاصم و حفص کی استیعاباً واقع نہیں ہے تو تراویح میں بسم اللہ پڑھنا جائز ہوا والا پورا ختم روایت حفص میں نہ ہوا فقط واللہ اعلم بالصواب، العبد عبدالرحمان عفی عنہ، صفحہ ۲۱ پر لکھا "صلوۃ مفروضہ میں ختم مقصود نہیں اس لئے وہاں جہر لازم نہیں وہاں اتباع ابوحنیفہ کا چاہئے اور تراویح میں مقصود ختم کامل قرآن ہے وہاں اتباع قرآن مسلمان بسم اللہ کو جہراً پڑھنا ساتھ تاکہ کے جائز ہے ورنہ ختم میں نقصان لازم آتا ہے چنانچہ یہی تحریر خاکسار نے بارہا قاری عبدالرحمان صاحب کی زبانی بھی سنی ہے، اب علماء سے عرض ہے کہ یہ بیانات و فتاویٰ صحیح ہیں یا غلط اور یہاں مذہب حنفی میں کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله سر او جہارا و لیل و نهارا حمداً سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں آہستہ اور بلند دُن اور

کبار اداۃ واکثرا والصلوات السامیۃ
والحیات النامیۃ علی من سن فی الصلوۃ
اسرار التسمیۃ وعلی الہ وصحبہ النفوس
الحامیۃ لبیضۃ السنۃ من الغوغاء العامیۃ
امین امین یا ارحم الراحمین۔

رات کو، بڑی حمیں اور زیادہ، بلند درود اور اونچا
سلام اس ذات پر جس نے نماز میں بسم اللہ کو آہستہ
پڑھنا سنت فرمایا اور آپ کی آل و اصحاب پر جو کہ
خالص سنت کو عوام کے شورش سے محفوظ رکھنے
والے ہیں آمین آمین یا ارحم الراحمین۔ (ت)

بسم اللہ شریف کا تراویح میں ہر سورت پر جہر مذہب حنفی میں لازم و واجب ہونا محض بے اصل و
باطل صریح اور حنفیہ کرام پر اقرار قبیح ہے تحصیل سنت ختم فی التراویح کے لئے صرف ایک بار کسی سورت پر
جہر کرنے کی ہماری کتب میں صاف تصریح ہے زید بے علم اور اس کے دونوں مقبوعوں کی تحریر سر اسر بے تحریر و
غیر صحیح ہے، مسلم الثبوت میں ہے:

البسملة من القرآن آية فتقرأ في
الختم مرة۔

یعنی بسم اللہ شریف قرآن عظیم کی ایک آیت ہے
تو ختم میں ایک بار پڑھی جائے۔

ملک العلماء بحر العلوم اس کی شرح فوائج الرحموت میں فرماتے ہیں:

علی هذا ینبغی ان یقرأھا فی التراویح بالجہر
مرة ولا تتأدی سنة الختم
دونہا۔

یعنی اس بنا پر چاہئے کہ بسم اللہ شریف تراویح میں
جہر سے ایک بار پڑھی جائے بے اس کے سنت
ختم ادا نہ ہوگی۔

شرح مولانا ولی اللہ میں ہے:

من قال بكون البسملة جزء من القرات
من غیر تعیین المحل او بجزئیتھا لہ
فی اول کل سورة قال بوجوب قراءتھا
فیما یختم فیہ القرآن من الصلوۃ
کالتراویح الا ان الجماعة الاولی تقول
بوجوب قراءتھا جہراً مرة والثانیۃ

یعنی جو علماء بسم اللہ شریف کو جزو قرآن مجید مانتے ہیں
خواہ بے تعیین محل (جیسے علماء حنفیہ وغیرہم) یا یوں
کہ ہر سورت کی پہلی آیت ہے (جیسے علماء شافعیہ)
ان سب کے نزدیک جس نماز میں قرآن مجید کا ختم
کیا جائے جیسے تراویح، اس میں بسم اللہ شریف کا
پڑھنا ضرور ہے مگر ہمارے ائمہ و جہور علماء کے نزدیک

تقول بوجوب قراءتها جهرا في اول كل سورة
سواء البراءة له

قرالاقمارمولانا عبد الحليم انصاری میں ہے :

اعلم ان التسمية آية من القرآن كله انزلت
للفصل بين السور وليست جزء من
الفاتحة ولا من كل سورة فالقرآن عبارة
عن مائة واربعة عشر سورة و آية وهي التسمية
فلا بد في ختم القرآن من قراءة التسمية مرة
على صمد راية سورة كانت وهذا كله عندنا على
المختار اه مختصرا

یعنی بسم اللہ شریف سارے قرآن مجید میں صرف ایک
آیت ہے کہ سورتوں میں فصل کے لئے اتاری گئی نہ وہ
فاتحہ کی جز ہے نہ ہر سورت کی، تو قرآن عظیم نام ہے
ایک سو چودہ سورتوں اور ایک آیت کا کہ وہ بسم اللہ
شریف ہے پس ختم قرآن میں بسم اللہ شریف کا کسی
سورت کے سرے پر ایک بار پڑھنا ضرور ہے یہ سب
ہمارے ائمہ کا مذہب مختار ہے اہ مختصراً

جواب مسئلہ تو اسی قدر سے ہو گیا مگر فقیر غفر اللہ تعالیٰ بعون رب قدیر جل جلالہ تحقیق حق نصح و تلخیص قول
رجح کے لئے چند افادات عالیہ لکھے جن سے توفیقہ تعالیٰ احکام مسئلہ کو نور انکشاف اور ادایم باطلہ کو ظہور انکشاف
لے واللہ المعین وہ نستعین (اللہ تعالیٰ مددگار ہے اور اسی سے ہم مدد طلب کرتے ہیں۔ ت)

افادہ اولیٰ : بسم اللہ شریف کے باب میں ہمارے ائمہ کرام بلکہ جمہور ائمہ صحابہ و تابعین وغیرہم
رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب حق و محقق یہ ہے کہ وہ کسی سورت قرآن کی جز نہیں جدا گانہ آیت واحدہ ہے کہ تبرک و
فصل بین السور کے لئے مکرر نازل ہوئی۔ امام عبد العزیز بن احمد بن محمد بخاری علیہ رحمۃ الباری کراجلہ ائمہ حنفیہ
ہیں کتاب التفتیح شرح حسامی میں فرماتے ہیں :

الصحيح من المذهب انها من القرآن
لكنها ليست جزء من كل سورة عندنا بل
هي آية منزلة للفصل بين السور كذا ذكر
ابوبكر الرازي ومثله دوى عن محمد رحمه الله
تعالى۔

صحیح مذہب ہمارا یہ ہے کہ وہ قرآن کی جز ہے مگر ہر
سورت کی جز نہیں بلکہ یہ ایسی آیت ہے جو سورتوں میں
فاصلہ کے لئے نازل کی گئی ہے، یوں ابوبکر رازی نے ذکر
کیا اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی ایسے ہی
مروی ہے۔ (ت)

لہ شرح مسلم الثبوت ولی اللہ

لہ قرالاقمار عاشیہ نور الانوار

لہ کتاب التفتیح شرح حسامی

مقدمۃ الکتاب

”

مطبوعہ مطبع علیی دہلی
” منشی نوکشتور لکھنؤ

ص ۹

ص ۶

امام محقق ابن امیر الحاج حلبی میں فرماتے ہیں :
المشهور عن اصحابنا انها ليست بأية من
الفاتحة ولا من غير هابل هي آية من القرآن
مستقلة نزلت للفصل بين السور.

ہمارے اصحاب سے یہی مشہور ہے کہ بسم اللہ سورۃ
فاتحہ یا کسی اور سورۃ کی جُز نہیں ہے بلکہ یہ قرآن کی
مستقل آیت ہے جو سورتوں میں فصل کے لئے نازل
کی گئی ہے (ت)

علامہ ابراہیم حلبی غنیہ میں فرماتے ہیں :
ان مذهبنا ومذهب الجمهور ليست آية
من الفاتحة ولا من كل سورة.

ہمارا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ
یا کسی اور سورۃ کی جُز نہیں ہے (ت)

امام ابوالبرکات نسفی کنز الدقائق اور علامہ ابراہیم حلبی ملتی الا بحر اور علامہ محمد بن عبد اللہ غزی تمناشی توبہ الابصار
میں فرماتے ہیں :

هي آية من القرآن انزلت للفصل بين السور
ولست من الفاتحة ولا من كل سورة.

یہ قرآن کی آیت ہے جو سورتوں میں فصل کے لئے نازل کی گئی
ہے فاتحہ یا کسی اور سورۃ کی جُز نہیں ہے (ت)

امام عینی عمدة القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں :

قال اصحابنا البسملة آية من القرآن انزلت
للفصل بين السور ليست من الفاتحة ولا من
اول كل سورة.

ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ بسم اللہ قرآن کی آیت ہے
جو سورتوں میں فصل کے لئے نازل کی گئی ہے نہ تو یہ
فاتحہ کی جُز ہے اور نہ ہی کسی سورۃ کا یہ اول ہے (ت)

اسی طرح بہت کتب میں ہے۔

افادہ ثانیۃ : مجرد ذکر نزول ہرگز موجب تعدد نہیں ورنہ قالان تکرار نزول فاتحہ قرآن عظیم میں
دوسورۃ فاتحہ مانتے کہ ان کے نزدیک فاتحہ مکہ معظمہ میں نازل ہو کر مدینہ طیبہ میں دوبارہ اُتری۔ علامہ حسن حلبی حاشیہ تلوید

۱۔ حلبی لملی شرح نیتہ لمصلی

۲۔ غنیۃ المستملی شرح نیتہ لمصلی

۳۔ ملتی الا بحر مع مجمع الانهر

در مختار

۴۔ عمدة القاری شرح صحیح بخاری

خطبۃ الکتاب

مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور

دار احیاء التراث العربی بیروت

مطبع مجتبائی دہلی بھارت

ادارۃ الطباعة المنیریة بیروت

ص ۳۰۶

۹۵/۱

۷۵/۱

۱۲/۱

للملك وغيرها كما فصله العلماء الكرام في
تصانيفهم ولا حاجة الى ايرادها هنا فان
شهرة الكلام فيه اغنتنا عن اعادته و
اطالة المقال بتذكاره -

ملك کی تیس آیتوں کا ذکر اور ان جیسی اور احادیث
جن کو علماء کرام نے مفصل طور پر اپنی تصانیف میں
ذکر کیا ہے یہاں ان کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے
کیونکہ اس بات کی شہرت نے ہمیں یہاں ذکر کرنے
سے مستغنی کر دیا ہے نیز ان کے ذکر سے بات لمبی ہوگی۔

افادة رابعة : يؤمنى أنس پر اجماع امت کا بیان افتراء و بہتان ، بلکہ علماء فرماتے ہیں صحابہ کرام
تابعین اعلام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع تھا کہ بسم اللہ شریف جزء نہیں قول جزئیت أن کے بعد
حادث و نو پیدا ہوا ، سیدی فقیہ مقرئ علی نوری سفاقی غیث النفع فی القراءات المبلع میں فرماتے ہیں :

هذا ان قلنا ان البسملة ليست بأية ولا
بعض آية من اول الفاتحة ولا من
غيرها وانما كتبت في المصاحف للتيسر
والتبرك وانها في اول الفاتحة لا بتد
الكتاب على عادة الله جل وعز في اب
كتبه وفي غير الفاتحة للفصل بين السور
قال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما كانت
رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لا يعرف
فصل السورة حتى ينزل عليه بسم الله
الرحمن الرحيم وهو مذهب مالك وابي حنيفة
والثوري وحكى عن احمد وغيره وانتصر له
مكي في كشفه وقال انه الذي اجمع عليه
الصحابه والتابعون والقول بغيره محدث
بعد اجماعهم و شنع
القاضي ابوبكر بن الطيب
بن الباقلاني المالكي البصري
نزول بغداد على من خالفه

یتب ہے جب ہم یہ کہیں کہ بسم اللہ آیت نہیں اور
فاتحہ اور کسی سورۃ کی جزء نہیں اور یہ صرف قرآن میں
برکت کے طور پر لکھی گئی ہے یا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی
عادت کریمہ ہے کہ اس نے اپنی تمام کتابوں میں بسم اللہ
سے ابتدا فرمائی لہذا سورۃ فاتحہ کے ابتدا میں بھی ذکر
فرمائی اور باقی سورتوں کے ابتدا میں صرف سورتوں کے
درمیان فصل کے لئے ہے ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ
تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
دو سورتوں کا فصل بسم اللہ الرحمن الرحیم کے نازل ہونے
پر معلوم کرتے تھے ، یہی امام مالک ، ابو حنیفہ ، ثوری
کا مذہب ہے ، اور امام احمد وغیرہ سے یہی بیان کیا گیا
ہے ، اور امام مکی نے اسی کو اپنی کتاب کشف میں اپنایا
ہے اور فرمایا کہ یہی وہ ہے جس پر صحابہ و تابعین کا
اجماع ہے ، بسم اللہ کے بارے میں کوئی اور بات
اس اجماع کے بعد نئی چیز ہوگی ، اور قاضی ابوبکر بن
طیب بن باقلانی مالکی بصری نیز بغدادی نے اس
کی مخالفت کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے اور یہ

وكان اعرف الناس بالمناظرة وادقهم
فيها نظرا
قاضی ابوبکر خود بحث کے ماہر اس میں دقت نظر رکھتے ہیں۔ (ت)

امام زبیری تبیین الحقائق پھر علامہ سید ابوالسعود ازہری فتح اللہ المعین میں فرماتے ہیں:
قال بعض اهل العلم ومن جعلها من كل
سورة في غير الفاتحة فقد خرق الاجماع
لانهم لم يختلفوا في غير الفاتحة
بعض علماء نے فرمایا کہ جو شخص بسم اللہ کو فاتحہ کے علاوہ
کسی سورت کا جزو مانتا ہے وہ اجماع کا خلاف کرتا
ہے کیونکہ فاتحہ کے بغیر کسی سورۃ کے بارے میں اختلاف

نہیں ہے۔ (ت)

امام بدرالدین محمود عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں،

فان قيل نحن نقول انها آية من غير الفاتحة
فكذلك انها آية من الفاتحة قلت هذا قول
له يقل به احد ولهذا قالوا نعم الشافعي
انها آية من كل سورة وما سبقه الى هذا
القول احد لان الخلاف بين السلف انما هو
في انها من الفاتحة او ليست باية منها
ولم يعد لها احد آية من سائر السور
اگر اعتراض کیا جائے کہ ہم بسم اللہ کو آیت مانتے ہیں
تو اس کا معنی یہ ہوا کہ فاتحہ کی آیت ہے اور کسی اور
سورۃ کی بھی آیت ہے، میں کہتا ہوں کہ یہ کسی کا قول
نہیں ہے اسی لئے جمہور نے کہا کہ صرف امام شافعی
کا خیال ہے کہ یہ ہر سورۃ کی آیت ہے جبکہ امام شافعی
سے پہلے کسی نے یہ بات نہیں کی، کیونکہ اس سے پہلے
اسلاف میں صرف یہ تھا کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کی آیت
ہے یا نہیں، اور اس کو کسی نے باقی سورتوں کا جزو نہیں مانتا۔

افادة خامسة: تمام مصاحف حنفیہ میں ہر بسم اللہ شریف پر نشان آیت موجود ہے وہ بلاشبہ
ان کے نزدیک آیت تامہ ہے، اب سورۃ بقرہ سے لے کر سورۃ ناس تک تمام سورتوں میں آیات حنفیہ کی گنتی
بتائیے، دیکھئے تو کہیں بھی بسم اللہ شریف گنتی میں آتی ہے، مثلاً سورۃ اخلاص چار آیت ہے بسم اللہ سے الگ
ہی چار آیتیں ہیں، سورۃ کوثر میں تین آیتیں ہیں بسم اللہ سے جدا ہی تین آیتیں ہیں وعلیٰ هذا القیاس بخلاف سورۃ
فاتحہ کہ سات آیتیں ہیں اور ان کے نزدیک انعمت علیہم پر آیت نہیں ولہذا ہمارے مصاحف

لہ غیث النفع فی القراءات السبع باب السبعة مطبوعہ مصطفیٰ البانی مصر ص ۵۷

لہ فتح المعین علی شرح الکثر فصل واذا اراد الدخول الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۸۷/۱

لہ عمدۃ القاری شرح بخاری باب ما یقول بعد التکبیر مطبوعہ ادارۃ الطباعة المنیریہ بیروت ۲۹۲/۵

میں اُس پر نشانِ آیت عند الغیرہ لکھتے ہیں نہ ○ یہ صاف دلیل واضح ہے کہ ہمارے قراء کے نزدیک بسم اللہ بقرہ سے ناسخ تک کسی سورت کی جز نہیں بلکہ ایک انہیں قاریوں کی کیا تخصیص سب کے نزدیک سوافاتحہ کے کہ مختلف فیہا ہے باقی تمام سورتوں کے شمار آیات سے بسم اللہ شریف خارج ہے یہ بھی اُس ارشاد علما کا پتا دیتا ہے کہ قول جزئیت حادث و خلاف اجماع ہے۔ امام زلیعی تبیین پھر علامہ ازہری فتح المعین میں فرماتے ہیں:

ان کتاب المصاحف کلہم عدد و آیات السور
 فاخرجوها من کل سورة و قال بعض اهل
 العلم الى اخر ما مر۔
 قرآن پاک کے تمام کاتبوں نے سورتوں کی آیات کو شمار
 کیا ہے اور انہوں نے بسم اللہ کو کسی سورت کی آیات
 میں شمار نہیں کیا اور بعض علماء نے مخزن شتہ قول کو انہوں
 نے آخر تک بیان کیا۔ (ت)

عمدہ میں امام عینی کا ارشاد گزرا: لم يعد لها احد اية من سائر السور (اس کو کسی نے باقی سورتوں کی آیت
 نہیں مانا۔ ت)

تبلیغہ: شمار سے اخراج تو عدم جزئیت میں صریح ظاہر ہے اور ادخال میں علمائے کرام نے جائز فرمایا کہ
 صرف ظن کی طرف مستند ہو تو مفید قطعیت جزئیت نہ ہو سکے گا، امام زلیعی نصب الراية اور امام عینی عمدہ میں فرماتے ہیں:
 لعل اباءهريفة مع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم
 يقرأها فظنها من الفاتحة ، فقال انها احدى
 آياتها ونحن لا نكرانها من القرأت ،
 ولكن النزاع وقع في مسئلتين احدهما انها
 آية من الفاتحة ، والثانية ان لها
 حكم سائر آيات الفاتحة جهرا وسرا ،
 ونحن نقول ، انها آية مستقلة قبل السورة ،
 وليست منها جمعا بين الادلة ، وابهريفة
 لم يخبر عن النبي صلى الله تعالى عليه
 وسلم انه قال ، هي احدى آياتها ،
 ابوهريفة رضي الله تعالى عنه نے حضور عليه الصلوة والسلام
 کو پڑھتے ہوئے سنا تو خیال فرمایا کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ
 کی جز ہے تو انہوں نے کہہ دیا کہ یہ فاتحہ کی آیات میں
 شامل ہے، بسم اللہ کا قرآن کی آیت ہونے سے ہمارا
 انکار نہیں ہے صرف بحث دو مسئلوں میں ہے ایک یہ کہ
 کیا یہ سورہ فاتحہ کی آیت ہے اور دوسرا یہ کہ کیا بسم اللہ کا
 حکم فاتحہ کی دوسری آیات والا ہے کہ جہر و سر میں ان کی
 طرح پڑھی جائے گی یا نہیں، جبکہ ہم یہ کہتے ہیں یہ ایک
 مستقل آیت ہے یہ سورہ فاتحہ کی آیات میں شمار نہیں،
 یہ بات دلائل کو مطابق بنانے کے لئے ہے، حالانکہ

و قراءتها قبل الفاتحة لا يدل على ذلك و
 اذا جاز ان يكون مستند الى هريرة قراءة
 النبي صلى الله تعالى عليه وسلم لها ، وقد
 ظهر ان ذلك ليس بدليل على محل النزاع ،
 فلا يعارض به ادلتنا الصحيحة الثابتة او
 فاتحة کا جُز ہونے پر دلیل نہیں ہو سکتی ؛ لہذا یہ روایت ہمارے صحیح ثابت شدہ دلائل کے مقابل نہیں ہو سکتی (۱۵۵ ت)
افادہ سادسہ : جُزیت بسم اللہ شریف کو قطعی کہنا محض جہالت اور تصریحات ائمہ کرام علمائے
 عظام سے غفلت ہے بلکہ جُزیتِ سورت درکنار جُزیتِ قرآن بھی خبراً متواتر نہیں ؛

ولذا انكرها الامام الاوزاعي والامام مالك و
 بعض مشايخنا ونسب للمتقدمين بل وقع
 في التلويح وحواشي الكشاف وغيرهما انه
 المشهور من مذهب ابى حنيفة رضى الله
 تعالى عنه قال القهستاني ان هذا المروي
 قال الشامي في رد المحتار اى بل هو قول ضعيف
 عندنا ۔
 بسم اللہ کے قرآن کا جُز ہونے کا امام اوزاعی ، امام
 مالک اور ہمارے بعض مشائخ نے انکار کیا ہے ۔
 متقدمین کی طرف منسوب بلکہ تلویح میں اور کشاف کے
 حواشی وغیرہ میں ہے کہ یہی امام ابو حنیفہ کا مشہور
 مذہب ہے ۔ امام قہستانی نے فرمایا اس قول کا وجود
 نہیں ہے ۔ علامہ شامی نے رد مختار میں فرمایا ہے
 بلکہ یہ قول ضعیف ہے ۔ (۱۵۶ ت)

علامہ حسن علی حاشیہ تلویح میں فرماتے ہیں ،
 قال الجدل المحقق في تفسير الفاتحة قال
 ابو حنيفة ومالك وحمهما الله تعالى المعتبر
 التواتر في قرآنيتهما لا في نقله فقط وهو الحق
 بزرگ محقق نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں فرمایا کہ امام ابو حنیفہ اور
 امام مالک نے فرمایا ہے بسم اللہ کے قرآن ہونے کیلئے صرف نقل متواتر نہیں بلکہ
 اس کا قرآن ہونا متواتر چاہئے اور یہی معتبر اور حق ہے

۲۸۶/۵	مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت	لے عمدة القاری شرح بخاری	احادیث البسملة فی الصلوة
۳۴۳/۱	المکتبۃ الاسلامیۃ ریاض الشیخ	نصب الریۃ لاحادیث البدیۃ	کتاب الصلوة
۵۰	منشی نوکشتور کا پور	الوضوح والتلویح مع حاشیہ علی	بیان ادلۃ اربعہ
۱۵۱/۱	مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران	جامع الرموز	فصل صفة الصلوة
۴۹۱/۱	مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	رد المحتار	مطلب قرآۃ البسملة بین الفاتحة والسورة

اذ من الظاهر ان النقل اذا لم يكن على
انه قرآن لا يفيد القرآنية والتواتر في نقل
البصائل ليس على انه قرآن والالم يخالف
فيه بل كتب في المصاحف للفصل والتبرك
بها الخ

کیونکہ ظاہر بات ہے کہ اگر قرآن ہونا منقول نہ ہو
تو پھر بسم کا قرآن ہونا ثابت نہیں ہوگا، اور بسم اللہ
کے نقل میں جو تواتر ہے وہ اس کے قرآن ہونے کا
تواتر نہیں ورنہ اس میں اختلاف نہ ہوتا بلکہ بسم اللہ کو
قرآن میں سورتوں کے فصل اور تبرک کے لئے لکھا
گیا ہے الخ (ت)

ہمارے ائمہ کہ اثبات فرماتے ہیں بوجہ اثبات فی المصاحف و امر بالتجريد دليل عقلي قائم فرماتے ہیں
نہ تواتر سمعی بالجملہ حتی یہ کہ بسم اللہ شریف کا جز قرآن عظیم ہوتا تو ہمارے نزدیک دلیل قطعی سے ثابت ہے مگر جز سور
ہونا ہرگز نقلاً عقلاً کسی طرح قطعی نہیں بلکہ ہمارے علمائے کرام اسے دلیل قطعی سے باطل اور بعض اخبار احاد کو، کہ
موسم جزئیت واقع ہوئے مخالف قاطع کے سبب نامقبول و مضحل بتاتے ہیں نہایت یہ کہ علمائے شافعیہ رحمہم اللہ
تعالیٰ کہ قائلین جزئیت ہیں خود منکر قطعیت ہیں، امام نووی شافعی فرماتے ہیں: یہی صحیح ہے۔ امام عبدالعزیز بن
احمد بخاری تحقیق میں فرماتے ہیں:

النقل المتواتر لما لم يثبت انها من السورة
لم يثبت ذلك

جب اصل متواتر بسم اللہ کو سورت کا جز ہونا ثابت
نہیں کرتا تو اس کا جز ہونا ثابت نہ ہوگا۔ (ت)

علامہ ہماری مسلم الثبوت اور علامہ بحر فوائج الرحموت میں فرماتے ہیں:

(لعمري تواترها جزء منها) فلا تشيبت
الجزئية اذ قد سبق ان تواتر الجزئية شرط
لا ثباتها

اس کا جز ہونا تواتر سے ثابت نہیں، لہذا جزئیت
ثابت نہ ہوگی کیونکہ پہلے معلوم ہو چکا ہے جزئیت
کے اثبات کے لئے جزئیت کا تواتر شرط ہے۔ (ت)

انہیں میں ہے:

(عارضه القاطع) وهو عدم تواتر الجزئية
الدال على عدمها في الواقع فيضمحل المظنون

بسم اللہ کے جز ہونے کو ایک قطعی دلیل معارض ہے اور
وہ جزئیت کے تواتر کا نہ ہونا جو کہ فی الواقع جز نہ ہونے

۱۔ تہ حاشیہ علی التوضیح والتلویح بیان اولہ اربعہ حاشیہ ۲۶ متعلق ص ۵۰ مطبوعہ نیشنل نوکسٹور کراچی پور ص ۵۵
۲۔ کتاب التحقيق شرح الحسامی مقدمۃ الكتاب مطبوعہ نوکسٹور کھٹو ص ۶
۳۔ فوائج الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسئلۃ البسمۃ من القرآن مطبوعہ امیرتہ بولاق مصر ۱۲/۲

کی دلیل ہے پس ظنی امر کو در قرار پائے گا، یہ جزئیت کا وہم پیدا کرنے والی اخبارِ احاد کا جواب ہے لہذا ان اخبار کا سہو قطعی ہے ورنہ اگر بسم اللہ سورۃ کا جز ہوتی تو قواتر سے ثابت ہوتی۔ (ت)

وهذا هو الجواب عن الاخبار الاحاد التي توهم الجزئية بل يجب ان تكون هذه الاخبار مقطوع السهو والالتواتر الخ

علامہ ابراہیم حلبی غنیہ شرح میں فرماتے ہیں،
لا يثبت كونها آية من كل سورة من السور
بل دليل قطعي كما في سائر الآيات واجتماع
الصحابة على اثباتها في المصحف لا يلزم
منه انها آية من كل سورة بل اللازم منه
مع الاثر بالتجريد عن غير القرآن انها
من القرآن وبه نقول انها آية منه نزلت
للفصل بين السور۔

قطعی دلیل کے بغیر اس کا تمام سورتوں میں سے کسی کا جز ہونا اور آیت ہونا ثابت نہیں ہو سکتا، جس طرح باقی آیات کے بارے میں ہے، اور صحابہ کرام کا اس کو مصحف میں لکھنے پر اجماع ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ یہ کسی سورۃ کی آیت ہے بلکہ قرآن کو غیر سے مبرا رکھنے کے حکم سے اتنا لازم آتا ہے کہ یہ بسم اللہ قرآن کی آیت ہے جو کہ فصل کے لئے نازل کی گئی ہے۔

علامہ بحر الفقیہ زین بن نجیم حنفی شرح منار پھر علامہ سید محمد آفندی شامی منحة الخالق حاشیہ بحر الرائق میں فرماتے ہیں:

بسم اللہ قرآن ہے کیونکہ قواتر سے قرآن میں شامل چلی آرہی ہے لیکن سورتوں کی ابتدائی آیت ہونے کا انکار سے کفر لازم نہیں آئے گا کیونکہ یہ بات قواتر سے ثابت نہیں۔

هي قرآن لتواتر في محلها ولا كفر لعدم تواتر كونها في الاوائل قرآنا۔

علامہ سیّد ابوالسعود ازہری فتح اللہ المعین میں فرماتے ہیں،

بسم اللہ کے قرآن ہونے پر قواتر نہ ہونے کی وجہ سے اگر کوئی اس بات کا انکار کرے تو کفر

ثبوت قرآنیہا لا على سبيل التواتر ولهذا علل في النهر عدم تكفير جاحداها بعدم

۱۔ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسئلۃ البسملة من القرآن مطبوعہ مطبعة امیریة بولاق مصر ۲/ ۱۵
۲۔ غنیۃ المستمل صفة الصلوة مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۰۷
۳۔ منحة الخالق حاشیہ علی البحر الرائق فصل واذا اراد الدخول فی الصلوة مطبوعہ عیالچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۱۲

قواتر کونہا قرآناً ۱
علامہ سیدی احمد طحاوی مصری حاشیہ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں فرماتے ہیں،
لاندھاوان تو اترکتا بہتھا فی المصاحف لم
یتواتر کونہا قرآناً ۲
مصحف میں اس کو لکھنے کے قواتر سے اس کے قرآن ہونے
کا قواتر ثابت نہیں ہوتا۔ (ت)

علامہ شہاب خفاجی عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی میں فرماتے ہیں،
ولم یتواتر تسبیحہا قرآناً وایۃ بالنقل عنہ
علیہ الصلوۃ والسلام اذ لو قواتر لکفر
باجدھا وھو لا یکفر بالافتاق ۳
بسم اللہ کا نام قرآن یا سورۃ کی آیت، قواتر سے حضور
علیہ الصلوۃ والسلام سے منقول نہیں اور اگر یہ بات
قواتر سے ثابت ہوتی تو اس کا انکار کفر ہوتا حالانکہ
بافتاق یہ کفر نہیں ہے۔ (ت)

اُسی سے امام قرطبی رحمہ اللہ سے ہے،
المسألة اجتہادیة ظنیة لا قطعیة كما ظنہ
بعض الجہلۃ من المتفقہ ۴
یہ مسئلہ ظنی اور اجتہادی ہے، قطعی نہیں ہے جیسا کہ
بعض جاہل لوگوں کا خیال ہے۔ (ت)
اُسی میں تفسیر امام سہین سنی بالوجیز سے ہے،
المطلوب ہنا الظن لا القطع ۵
اس مسئلہ میں ظن مطلوب ہے یقین مطلوب نہیں (ت)
اُسی میں امام حجۃ الاسلام محمد غزالی شافعی سے ہے،
انہ اقام الدلیل علی الکفاء بالظن فیما
نحن ۶
ہماری بحث میں جو دلیل پیش کی گئی ہے وہ صرف ظن
کا فائدہ دیتی ہے۔ (ت)
امام ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں،

۱۸۷/۱	مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	فصل واذا اراد الدخول فی الصلوۃ	فتح اللہ المعین علی شرح الکنز
۱۸۷/۱	نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۲۱	فصل فی بیان سنن الصلوۃ	حاشیہ الطحاوی علی مراقی الفلاح
۳۰/۱	دار صادر بیروت	بحث البسملۃ	حاشیہ الشہاب علی تفسیر البیضاوی
۳۰/۱	" "	" "	" "
۳۰/۱	" "	" "	" "
۳۰/۱	" "	" "	" "

البسملۃ آية من الفاتحة عملاً وظناً لا قطعاً
 بسم اللہ کا سورہ فاتحہ کا جز ہونا ظنی ہے قطعی اور یقینی
 الخ نقلہ عنہ القاری فی المرقاۃ -
 نہیں ہے الخ اس کو ملا علی قاری نے مرقاۃ میں

ان سے نقل کیا ہے (ت)

علامہ سفاقی غیث النفع فی القراءات السبع میں فرماتے ہیں :

ان المحققین من الشافعیۃ و عزاء المأوردی
 للجمہور علی انه آية حکماً لا قطعاً قال
 النووی والصحیح انہا قرآن علی سبیل
 الحکم ولو كانت قرآناً علی سبیل القطع
 لکفرنا فیہا وهو خلاف الإجماع
 محققین شافعیہ نے اور ماوردی کے بیان کے مطابق
 ان کے جمہور نے کہا ہے کہ بسم اللہ کا فاتحہ کی جز ہونا
 حکمی بات ہے قطعی نہیں ہے ، اور امام نووی نے
 فرمایا صحیح یہ ہے کہ بسم اللہ کا قرآن ہونا حکمی ہے
 اور اگر قطعی ہوتا تو ہم مخالف کو کافر کہتے جبکہ یہ بات
 اجماع کے خلاف ہے۔ (ت)

اسی میں شرح منہاج النووی تصنیف امام جلال الدین محلی شافعی سے ہے :

البسملۃ منہا ای من الفاتحة عملاً لانه
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عدھا آية منہا
 صحیحہ ابن خزيمة والحاکم ویکنفی فی ثبوتہا
 من حیث العمل الظن
 بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا حصہ ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ
 السلام نے اس کو فاتحہ کی آیت شمار کیا ہے جس کی
 ابن خزیمہ اور حاکم نے تصحیح کی ہے اور اس کے علی ثبوت
 کے لئے ظن ہی کافی ہے۔ (ت)

اقول وبالله التوفیق قرآن عظیم کے ختم میں لا اقل ایک بار بسم اللہ شریف
 پڑھنے پر تمام قراء کا اجماع قطعی ہے کہ ابتداء تلاوت سورۃ غیر برات میں اتیان بسم اللہ مجمع علیہ ہے پھر ہر دو سورت
 کے درمیان اثبات وحذف میں قراء مختلف ہیں امام تاج مدنی بروایت قالون اور امام عبد اللہ بن کثیر مکی و

عہ شروع تلاوت اگر ابتداء سورۃ کے علاوہ کہیں وسط سے ہو تو بسم اللہ کی حاجت نہیں بہتر ہے اور اگر ابتداء
 سورۃ سوائے برات سے تلاوت آغاز کرے تو بسم اللہ بالاجماع پڑھے پھر اثنائے تلاوت میں جو سورتیں آتی جائیں
 ان پر بسم اللہ پڑھنے نہ پڑھنے میں اختلاف ہے ۱۲ (م)

سہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القراءة فی الصلوٰۃ فصل اول مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۲۹۶
 سہ و سکہ غیث النفع فی القراءات السبع علی حاشیہ سراج القاری باب البسملۃ مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر ص ۵۹

وامام عاصم بن بہدہ کوئی وامام علی بن حمزہ کسائی کوئی پڑھتے اور امام مدنی بروایت ورش اور امام عبد اللہ بن عامر شامی وامام حمزہ بن حبیب زیات کوئی وامام ابو عمرو بن العلاء بصری حذف کرتے ہیں تو اگر جلسہ واحدہ میں کوئی شخص قرآن عظیم یا ابتدائے واحد ختم کرے تاہم ایک بار بسم اللہ شریف باجماع قرا پڑھے گا اور تکرار میں اختلاف رہے گا۔ غیث النفع میں ہے :

لا خلاف بینہم فی ان القاری اذا افتتح
قراءتہ بادل سورۃ غیر براءۃ انہ یبسم
سواء کان ابتداءہ عن قطع او وقف (الی
ان قال) واختلفوا فی اثباتہا بین السورتین
سواء کانتا مرتبتین او غیر مرتبتین فاثبتہما
قالون والمکی وعاصم وعلی وحذفہا
حمزۃ ووصل السورتین (الی قوله) وانما
اختلفوا فی الوصل ولم یختلفوا فی الابتداء
لانہا مرسومۃ فی المصاحف فمن یأمرکھا
فی الوصل لو لم یأت بہا فی الا ابتداء لمخالفت
المصاحف وخرق الاجماع الخ۔

کے بارے میں یہ اختلاف کیا ہے، اور ابتداء کرتے وقت بسم اللہ پڑھنے میں اختلاف نہیں کیا، کیونکہ بسم اللہ قرآن میں کمی ہے لہذا اگر کوئی دونوں سورتوں میں وصل کرتے وقت بسم اللہ کو ترک کرے اور سورۃ سے ابتداء کرتے وقت بھی ترک کرے تو مصاحف اور اجماع کے خلاف ارتکاب کرے گا الخ (ت)

سراج القاری شرح شاطبیہ میں ہے :

اخیران سراجا لا یسملوا بین السورتین
وہم قالون والکسائی وعاصم وابن کثیر
والباقین لا یبسمون بین السورتین لان
هذا من قبیل الاثبات والحذف اھ ملخصا۔
معلوم ہوا ہے کہ کئی لوگوں نے کوئی دو سورتوں میں
بسم اللہ پڑھنے کا قول کیا ہے اور وہ قالون، کسائی،
عاصم اور ابن کثیر ہیں اور باقی لوگوں نے ان دونوں سورتوں
میں بسم اللہ نہ پڑھنے کا قول کیا ہے کیونکہ یہ معاملہ اثبات
وحذف والا ہے اھ ملخصاً (ت)

لہ غیث النفع فی القراءات السبع علی حاشیہ سراج القاری باب البسملة مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر ص ۵۲
لہ سراج القاری شرح شاطبیہ لابن القاصع مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر ص ۴۸

عن اهل العلم والفضل (یہ تمام اہل فہم اور اہل عقل کے ہاں واضح ہے چہ جائیکہ اہل علم و فضل پر واضح نہ ہو۔) اور میں سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ اس مسئلہ میں مذہب کو دخل نہ ماننا محض جہالت و سخت سفاہت ہے بلکہ حقیقتاً روایت قراءتے جزئیات میں کچھ دخل نہ دیا و اثر گون قسموں نے الٹا سمجھ لیا، آخر امام قرطبی وغیرہ کا ارشاد سن چکے کہ مسئلہ اجتہاد یہ ہے۔ علامہ بہاری و علامہ بحر فرماتے ہیں :

ترکھا نصف القراءۃ و ہم ابن عامر و نافع بروایۃ الورث و حمزۃ و ابو عمر و قال مطلع الاسرار الالہیۃ قدس سرہ فی غیر الفاتحۃ (و تواتر انہ) صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ وسلم ترکھا، عند قراءۃ السورۃ قرأۃ القراءۃ متواترۃ زکلا معنی عند قصد قراءۃ سورۃ ان یتروک اولھا، فیجب ان لا تكون جزأ و لیشهد علیہ ما روی فی الخبر الصحیح عدم الجہر بہا فی الصلوۃ فان قلت قد قراھا الباقون من القراء فتواتر قراءۃ تہ علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ الصلوۃ والسلام فیجب ان تكون جزأ قال (و تواتر قراءتھا عنہ) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (بقیۃ) القراءۃ (الآخرین لا یتلزم کونها) جزء (منھا) لجواز ان یتروک للتبرک کا لا استعاذۃ۔

اس کو نصف اہل علم اور قراء حضرات نے ترک کیا ہے اور وہ ابن عامر، نافع اور ورش کی روایت کے مطابق ابو عامر اور حمزہ ہیں، اور مطلع الاسرار الالہیۃ قدس سرہ نے غیر فاتحہ کے بارے میں فرمایا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ سورتوں کو پڑھنے میں آپ نے بسم اللہ کو ترک فرمایا کیونکہ قراء حضرات کی قراءت متواترہ ہیں اور ممکن نہیں کہ سورۃ کو پڑھتے وقت اس کے اول (بسم اللہ) کو چھوڑ دیں لہذا ضروری ہے کہ بسم اللہ متواترہ کا جہر نہیں، اور یہ بات اس کی شاہد ہے کہ صحیح طور پر مروی حدیث میں ہے کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے نماز میں بسم اللہ کا جہر نہیں فرمایا، اگر تیرا یہ اعتراض ہو کہ باقی قراء حضرات نے بسم اللہ کو سورتوں کے ساتھ پڑھا ہے اور جب قراء حضرات کی قراءت متواترہ ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ بسم اللہ کا سورتوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم و علیٰ آلہ و

صحابہ سے متواتر ہو گا، اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ سورتوں کا جز ہے، تو جواب میں کہا کہ باقی قراء حضرات کی قراءت سے حضور علیہ السلام کی قراءت کے متواتر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ سورتوں کا جز ہو جائے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے تبرک کے طور پر پڑھا ہو جیسا کہ اعوذ باللہ کا حکم ہے۔ (د۔ت) اسی طرح اور کتب میں ہے مگر جمالی زمانہ کو خبر نہیں۔

افادہ ثامنہ اقول روایت اثبات کا اثبات جزیئیت عند المسلمین سے بھی بے علاقہ ہونا تو ظاہر ہو چکا اور ہم یہ بھی ثابت کر آئے کہ شمار آیات و سورت دلیل واضح ہے کہ قراءہ المسلمین بھی جزیئیت سورت نہیں مانتے تاہم اب اگر بالفرض کسی طریقہ سے ثابت بلکہ متواتر بھی ہو کہ امام عاصم کا مذہب جزیئیت تھا تو وہ جدا بات ہے اس میں ہمیں کلام نہیں، مذہب میں ہم ان کے مقلد نہیں، نہ ان کی قراءت کا اختیار برخلاف مذہب ان کے مذہب پر عمل لا بد کر کے اور واضح پر دلیل روشن درکار ہو تو شے شک نہیں کہ ہمارے ائمہ نے قراءت عاصم و روایت حفص اختیار فرمائی اور شک نہیں کہ بالاجماع نماز سریرہ و جہر یہ سب میں ہمارے یہاں اخفاء بسملة کا حکم اور شک نہیں کہ مذہب امام پر نماز جہر یہ میں ایک آیت کے سہو اخفاء پر بالاتفاق سجدہ اور عمدہ پر اعادہ لازم تو قطعاً ثابت کہ حفص و عاصم اگرچہ جزیئیت فاتحہ کی طرح جزیئیت پر سورت بھی مانتے ہوں مگر ان کی قراءت اختیار کرنے نے ہمیں عمل قول جزیئیت پر مجبور نہ کیا و نہ ضرور جہر یہ میں جہر تسمیہ علی الفا تح کا حکم ہوتا اور اس کا ترک سجدہ سہو یا اعادہ چاہتا، پھر بعد فاتحہ سر سورت پر اتیان بسملة میں عامۃ متون مذہب مثل ہدایہ، تہذیب و تقایہ و اصلاح و غرر و ملتقى الابحر و تنویر وغیرہ انکار محض پر ہیں اور اسی پر بدائع و شرح و قایہ و درر و جوہرہ نیرہ و مجمع الانہر و غیرہ یا شروح نے مشی فرمائی، محققین کے نزدیک اگرچہ اس کا حاصل کراہت نہیں صرف نفی سنیت ہے کہا بیننا کہ فی فتاویٰ العطا یا النبویۃ فی فتاویٰ الرضویۃ (جیسا کہ ہم نے اسے اپنے فتاویٰ العطا یا النبویۃ فی فتاویٰ الرضویۃ میں بیان کیا ہے) تاہم اگر اختیار قراءت عاصم اختیار جزیئیت لازم کرتا تو نفی سنیت اور التزام ترک بسملة میں نفی کراہت پر اجماع حنفیہ ناممکن تھا ابھی مسلم و فواتح سے سن چکے کہ سورت پڑھتے وقت اس کے اول سے ایک آیت چھوڑ دینا بے معنی ہے سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

فیہ ہجرتی من القرآن و ذلك لیس من اعمال المسلمین اھ نقلہ الشامی عن النہر عن الکھام فی باب سجود التلاوة۔
اس میں بعض قرآن کا ترک لازم آئے گا۔ حالانکہ یہ بات مسلمانوں کے عمل سے بعید ہے اھ اس کو علامہ شامی نے باب سجود التلاوة میں نہر کے حوالے سے امام صاحب سے نقل کیا ہے۔ (د)

پس آفتاب کی طرح روشن ہوا کہ ہمیں عمل قول جزیئیت پر مجبور کرنا ہمارے ائمہ کرام کے اجتماع تام کے خلاف اور محض اپنے ذہن کی تراشیدہ بات ہے قصد و عدم قصد ختم سے تفرقہ محض جہالت، اختیار قراءت عاصم موجب عمل بر جزیئیت نہیں تو ختم میں کیا نقصان، اور اگر ہے تو فرض میں وجوب جہر کیوں نہیں، کیا فرائض میں ہم قرآن

بقراتِ عاصم نہیں پڑھتے بھلا ختم میں اتنا ہی ہے کہ سنت ناقص رہی یہاں تو واجب ترک ہوتا ہے۔

افادہ تاسعہ اول بطور مناظرہ علی التثزل اگر مان لیجئے کہ اختلاف قراء روایت جزئیت

عدم جزئیت ہے تاہم جس نے ختم میں ایک بار بسم اللہ شریف پڑھی اس نے یقیناً کلام اللہ ختم کیا نقص اگر ہوا تو روایت میں نہ کہ قرآن میں، تو پورے قرآن کا ثواب نہ ملنا کیا معنی، کیا سنت یہ ہے کہ مثلاً امام عاصم کی روایت تراویح میں پوری کی جائے یا یہ کہ قرآن عظیم کا ختم کامل ہو، اگر اول مانو تو محض باطل اور شرع مظہر پر کھلا فقرہ کس دلیل شرعی کا حکم ہے کہ خاص فلاں روایت کا اہتمام مسنون اور ثانی مانو اور وہی حق ہے تو قرآن عظیم تو بالقطع والیقین یوں بھی ختم ہو گیا پھر کامل ثواب نہ ملنا یعنی چہ، کیا بعض روایات پر قرآن کامل ہے بعض پر معاذ اللہ ناقص، حاشا لہ بطرح تام و کامل ہے ورنہ لازم آئے کہ بعض بلکہ ہر عرض میں حضور پر نور سید العالمین و حضرت جبریل روح الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہا وسلم میں ناقص قرآن کا دور ہوا ہر قاری کے پاس ناقص قرآن رہا کہ ہر قراءت میں بہ نسبت دوسری کے کچھ نہ کچھ اثبات و حذف ہے اپنے نزدیک تمامی عند اللہ تمامی کو مستلزم نہیں، اور جب عند اللہ تمامی تو نقص ثواب کا زعم رب العزت کی جناب میں سوائے ظن ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ (بیشک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ ت)، اگر کہنے کو یہ قرآن فی نفسہ تام و کامل ہے مگر مثلاً امام عاصم کے نزدیک پورا نہ ہوا۔

اول دو حال سے خالی نہیں یا تو قراء کے نزدیک روایات اضر بھی متواترہ نہیں اور ان میں ایک کا اعتبار

اس بنا پر کہ اپنے اساتذہ پر یونہی پڑھاؤں کے نزدیک اپنی ہی روایت متواتر ہوئی یا تو اتر باقی پر اطلاع نہ ملی علی الاطلاق بلاشبہ امام عاصم پر یہ اعتقاد فرض کہ کلام الہی پورا ختم ہو گیا اگرچہ ان کی روایت پوری نہ ہوئی اور ثواب کامل اسی پر منوط تھا نہ خاص ان کی روایت پر، علی الثانی جب ہم پر ہر نیم روز و ماہ نیم ماہ کی طرح ان روایات کا تواتر روشن ہو گیا تو امام عاصم کا نہ جاننا مطلع نہ ہونا کچھ حجت نہیں، غرض نہ عاصم کی روایت پر ثواب محصور نہ عاصم کے خیال کی تقلید ضرور جبکہ بالقطع والیقین حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اُس کا خلاف متواتر ماثور، کیا مزے کی بات ہے کہ امام مذہب بلکہ انصافاً امام الائمہ ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب تو محض اپنے اس زعم باطل پر چھوڑا جائے کہ اذ اصبح الحدیث فیہو ہذہ ہبی (جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔ ت) قول احناف ہے اور امام عاصم کا ایک خیال کہ عدم اطلاع پر یعنی ہذا اُس پر جمود ایسا ضرور کہ اُس کے مقابل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر قطعی بھی نامنطور۔

ہاں ائمہ کرام نے حفظ دین عوام کو یہ وصیت فرمائی کہ جاہلوں کے سامنے قرأتِ غریبہ و وجوہ عجیبہ نہ پڑھیں کہ
مبادا وہ انکار یا طعن یا استہزاء کی آفت میں نہ پڑیں، درمختار میں ہے:

يجوز بالروایات السبعة لكن الأولى ان
لا یقرء بالغر یبة عند العوام صیانة
لدينهم

ردالمحتار میں ہے:

قوله رواية سبعة جائز ہے بلکہ عشرہ بھی جائز ہے
جیسا کہ اہل اصول نے تصریح کی ہے، قوله اجنبی یعنی
روایات اور امالاتِ اجنبیہ کو نہ پڑھے کیونکہ بعض جاہل
لوگ لاعلمی کی وجہ سے باتیں بنائیں گے اور گناہ اور
بدی میں مبتلا ہوں گے، امامت کرانے والے حضرات
کو مناسب نہیں کہ لوگوں کو دینی نقصان میں ڈالیں،
اور ان کے سامنے امام ابو جعفر، ابن عامر، علی او
کسانی جیسی قراءت نہ کریں، ہو سکتا ہے کہ عوام لاعلمی
کی بنا پر ان کی قراءات کو حقیر جانتے ہوئے ان پر ہنسنا
شروع کر دیں اور ان کا دین محفوظ رکھنا ضروری ہے
اگرچہ یہ تمام قراءات قطعی طور پر صحیح ہیں، جبکہ
ہمارے مشائخ نے ابوسعمر وکی عاصم سے
روایت کردہ قراءت کو اپنایا ہے اھیرہ فتاویٰ
النجہ سے تارخانہ کی روایت ہے۔ (ت)

قوله يجوز بالروایات السبع ، بل يجوز
بالعشر ايضا كما نص عليه اهل الاصول
قوله بالغر یبة ای بالروایات الغریبہ و
الامالات ، لان بعض السفهاء يقولون
ما لا يعلمون فيقعون في الاثر والشقاء ،
ولا ينبغي للائمة ان يحسنوا العوام على
ما فيه نقصان دينهم ، ولا يقرء عندهم
مثل قراءة ابی جعفر و ابن عامر و علی
بن حمزة و الکسانی صيانة لدينهم
فلعلهم يستخفون او يضحكون وان كان
كل القراءات والروایات صحيحة قطعية
ومشاخذنا اختاروا قراءة ابی عمرو وحفص
عن عاصم اھ عن التمار خانية عن
فتاویٰ الحجۃ

اسی طرح علی گریہ وغیرہ میں ہے۔

افادۃ حادیہ عشر اقل جس مصلحت کے لئے یہاں علما نے پیش عوام روایت غریبہ کی

افادہ عاشورہ اگر بعد طلوع فجر ساطع و ظہور حتی لامع، اپنی خطا پر مطلع ہو کہ دعوی نقصان ثواب سے عدول کر کے، اس راہ چلے کہ بلاشبہ قرآن بھی کامل ختم، ختم کامل کا ثواب بھی حاصل مگر جبکہ ہم قرات امام عاصم اختیار کئے ہوئے ہیں تو ہم پر شرعی واجب کہ انھیں کی روایت پر قرآن ختم کریں۔

اقول یہ بھی محض باطل اتباع قراءت واحدہ صرف ہنگام روایت واجب ہے کہ روایت احد القراء کا نام کر کے بعض حروف روایت دیگر پڑھے تو کذب فی النسبة و تخلیط و تغلیط لازم آئے کہ اس تقدیر پر اس کا مفاد یوں ہوگا کہ یہ لفظ اس طرح اس امام کی روایت ہے حالانکہ وہ اسی کی روایت نہیں، تلاوت میں تعیین قرات واجب نہیں کہ آخر سب قرآن اور سب حق منزل من عند الرحمن ہے تو تخصیص بعض و انکار بعض کے کیا معنی، اختلاف قراءت مثل اختلاف مذاہب نہیں کہ تعیین واجب یا تلفیق باطل ہو، یہاں اگر بعض سورہ بلکہ ایک سورت کی بعض آیات بلکہ ایک آیت کے بعض کلمات ایک قرات کے مطابق پڑھے اور بعض دیگر بعض دیگر کے تو عند التفتیح اصلاً مخالفت نہیں جب تک وہ تلفیق موجب اختلاف نظم یا فساد معنی نہ ہو، اور اگر ایک کلام ختم ہو کہ دوسری بات شروع ہو جب تواتر و ادلی بالجواز ہے خصوصاً جبکہ مجلس متبدل ہو، امام خاتم الحفاظ جلال الحق والدین سیوطی القان ثریف میں امام سید القراء شیخ المقرئین شمس الملة والدین ابوالخیر ابن الجری سے نقل فرماتے ہیں،

الصواب ان يقال ان كانت احدي القراءتين مرتبة على الاخرى منع ذلك منع تحريم كمن يقرأ فتلقي آدم من ربه كلمت برفعهما و نصبهما اخذا رفع آدم من قراءة غير ابن كثير و رفع كلمات من قراءته و نحو ذلك مما لا يجوز في العربية واللغة و ما لم يكن كذلك فرق فيه بين مقام الرواية و غيرها فان كان على سبيل الرواية حرم ايضا لانه كذب في الرواية و تخلیط و ان كان على سبيل التلاوة جائز له

یہ کہنا درست ہوگا کہ دونوں قراءات میں ایک دوسری پر مرتب ہے تو یہ ممنوع بطور تحریم ہے جیسا کہ فتلیقی آدم من ربه كلمت میں لفظ آدم اور كلمت دونوں پر پیش پڑھے یا دونوں پر زبر پڑھے، یوں کہ "آدم" پر پیش کو غیر ابن کثیر کی قراءت سے اور كلمت کی پیش ابن کثیر کی قراءت سے اخذ کر سکے، اس طرح یہ عربی میں اور لغت میں جائز نہیں، اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر روایت اور غیر روایت کے مقام میں فرق ہوگا، اور اگر روایت کے طور پر ہو تو بھی حرام ہے کیونکہ یہ روایت میں غلط اور کذب ہوگا، اور اگر بر سبیل تلاوت ہو تو یہ جائز ہے۔ (د)

تلاوت سے منع کیا، مسئلہ بسملہ میں انصافاً دیکھئے تو ہمارے بلاد میں خاص صورت اخفاء میں ہے کہ یہاں کے تمام حفاظ و قراء و سامعین عامہ مسلمین کے کان ہر سورت پر جہر بسم اللہ سے آشنا نہیں وہ اسے سن کر مخالفت کریں گے طعن و اعتراض سے پیش آئیں گے تمہارے زعم میں یہ اعتراض اس امر پر ہو گا جو قرآن فقرنا حضور پر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متواتر ہے، اور دوسرا امر جس کے وہ عادی ہیں یعنی اخفاء تم خود بھی مقرر ہو کہ وہ بھی حق و صحیح اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسا ہی متواتر ہے تو اسی کو کیوں نہ لیجئے اور عکس کر کے مسلمانوں میں فتنہ عوام میں شورش کیوں پیدا کیجئے اب اپنے زعم باطل پر تم خود اس کے باعث ہوتے ہو کہ امر متواتر عن المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مسلمانوں سے انکار و اعتراض کرو کیا اسی کا شریعت مطہرہ نے حکم دیا ہے، کیا اسی بقاری یا ملّا ہونا رہ گیا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ جب تک بات نئی بیگانہ تازی جدا اکثر مسلمین کے گوش نشین نا آشنا نہ ہو شہرت نام کا ذریعہ نہیں ہوتی مگر پناہم بخدا کہ قاریان قرآن قراءت قرآن سے شہرت نام کی نیت رکھیں، علمائے کرام ایسے محل پر ترک افضل کی رائے دیتے ہیں نہ کہ ترک مساوی، امام علامہ جلال الدین زلیحی نصب الراية میں نقل فرماتے ہیں :

لوگوں کی تالیف قلبی اور ان کو مجتمع رکھنے کے لئے افضل کو ترک کرنا افسان کے لئے جائز ہے تاکہ لوگوں کو نفرت نہ ہو جائے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت اللہ شریف کی غارت کو اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر قائم رکھا تاکہ قریشی نو مسلم ہونے کی وجہ سے اس کی نئی بنیادوں پر تعمیر کو نفرت کی نگاہ سے نہ دیکھیں تو آپ نے اجتماع کو قائم رکھنے کی مصلحت کو مقدم سمجھا، اور جیسا کہ حضرت ربیع نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز میں اختلاف کی بنا پر روکا تو انہوں نے فرمایا کہ خلا کرنے میں شر ہے، اسی لئے امام احمد وغیرہ نے بسم اللہ اور وتر کے وصل وغیرہ کے بارے میں اس کی تصریح کی ہے، یہ وہ معاملات ہیں جن میں افضل سے عدول کر کے جائز مفضل کو

یسوغ للافسان ان یترک الافضل لاجل تالیف القلوب واجتماع الكلمة خوفا من التنفیذ، کما تروک النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بناء البیت علی قواعد ابراہیم لکون قریش کافوا حدیثی عہد بالجاهلیۃ، وخشی تنفیذہم بذلك، وراى تقديم مصلحة الاجتماع علی ذلك، ولما انکر الربیع علی ابن مسعود انکالہ الصلوۃ خلف عثمان، قال الخلاف شر، وقد نص احمد وغیرہ علی ذلك فی البسملة وفی وصل الوتر وغیر ذلك مافیہ العدول عن الافضل الی الجائز المفضل مراعاة لاختلاف المامومین او لتعریفہم السنة، وامثال ذلك و هذا اصل کبیر فی سد

الذرائع علیہ
اختیار کیا گیا ہے تاکہ مقتدی حضرات کی تالیف قلبی اور
ان کی سنت شناسی وغیرہ کا پاس کیا جاسکے، یہ بات فقہ کے سبب باب کے لئے بڑا ضابطہ ہے۔ (ت)
یہ سب اس تقدیر پر تھا کہ بغرض باطل قطعیت جزئیات مان لی جائے ورنہ حتی و تحقیق کا ایضاح پہلے ہو چکا اس
تقدیر پر قاری و ملا اپنی اس تنغیر و آثار فقہ کی حدیں بتائیں یہاں تو بدلتے عوام اس غیر قصدی الزام سے بھی
محفوظ اور یہ تنغیر و ایقاع اختلاف و لیے مستند معتمد سے نامحفوظ کما لا یخفی واللہ الہادی (جیسا کہ
مغنی نہیں، اور اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے۔ ت)

افادہ ثانیہ عشر یہاں تک دعویٰ قطعیت جزئیات و لزوم نقصان ختم کار دمخت کہ
بکھ اللہ جاحسن وجہ ظاہر ہوا اب بعونہ تعالیٰ جہر و اخفا کی طرف چلے، تراویح میں جہر بسم کا حضور پر نور سید عالم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متواتر کہنا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صریح افتراء ہے تو اتر در کنار زنتھار
کسی حدیث احادیث سے بھی اس کا ثبوت نہیں، جہر فی التراویح تو جہر مطلقاً کسی نماز میں حضور والا صلوات اللہ
وسلامہ علیہ کا بسم اللہ شریف جہر سے پڑھنا ہرگز ہرگز متواتر نہیں، تو اتر کیسا نفس ثبوت میں سخت کلام و نزاع
ہے، امام حافظ عقیلی کتاب الضعفاء میں لکھتے ہیں:

لا یصح فی الجہر بالبسملة حدیث
مسند - ذکرہ فی عمدۃ القاری -
بسم اللہ میں کوئی حدیث مسند صحیح نہیں، اسے
عمدۃ القاری میں ذکر کیا گیا۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں،
لم یصح فی الجہر وحدیث - ذکرہ فی
عنایۃ القاضی -
جہر تسمیہ میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی۔ اسے
عنایۃ القاضی میں ذکر کیا گیا۔

یہی امام دارقطنی جب معمر تشریف لے گئے کسی مصری کی درخواست سے دربارہ جہر ایک جب
تصنیف فرمایا بعض مالکیہ نے قسم دے کر پوچھا کہ اس میں کون سی حدیث صحیح ہے آخر براہ انصاف
اعتراف فرمایا کہ:

کل ما روی عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ
یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جہر میں جو کچھ

۱/ ۳۲۸ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ
۵/ ۲۸۸ ر ادارۃ الطباعة المنیریہ بیروت
۱/ ۳۱ ر دار صادر بیروت
۱/ ۳۲۸ کتاب الصلوۃ
۵/ ۲۸۸ باب ما یقول بعد التکبیر
۱/ ۳۱ عنایۃ القاضی علی تفسیر البیضاوی مجتہد البسملة

امام شوکانی نے نیل الاوطار میں ذکر کیا ہے۔

فی نیل الاوطار

امام زلیعی تبیین الحقائق میں فرماتے ہیں :

الحاصل ان احادیث الجہر لم تثبت بشئ اثرہ
السید الانہری فی الفتح ۔

امام زلیعی نصب الراية میں فرماتے ہیں :

فهذه الاحادیث كلها ليس فيها صريح صحيح
وليس مخرجة في شيء من الصحيح ولا
المسانيد ولا السنن المشهورة وفي روايتها
الكذبون والضعفاء والمجاهيل الخ

امام عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں :

احادیث الجہر ليس فيها صريح بخلاف
حديث الاخفاء فانه صحيح صريح ثابت
مخرجه في الصحيح والمسانيد المعروفة و
السنن المشهورة ۔

خلاصہ یہ کہ جہر کی حدیثیں ثابت نہ ہوئیں۔ سید انہری
نے اس کو فتح میں نقل کیا ہے۔

ان حدیثوں میں کوئی حدیث صحیح و صحیح نہیں، نہ یہ
صحاح و مسانید و سنن مشہورہ میں مروی ہوئیں
ان کی روایتوں میں کذاب، ضعیف، مجہول لوگ
ہیں الخ

جہر کی حدیثوں میں کوئی حدیث صحیح و صریح نہیں بخلاف
حدیث اخفاء کہ وہ صحیح و صریح اور صحاح و
مسانید و سنن مشہورہ میں ثابت ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ و امام مالک و امام شافعی و امام احمد چاروں ائمہ مذہب اور بخاری و مسلم و ابوداؤد
وترمذی و نسائی و ابن ماجہ چھوں ائمہ حدیث اور دارمی و طحاوی و ابن خزیمہ و ابن حبان و دارقطنی و طبرانی و
البیہقی و ابن عدی و بیہقی و ابوالقاسم و ابن عبد البر اکابر حفاظ و اجلہ محدثین اپنی صحاح و سنن و مسانید و معاجم میں
بাসانید کثیرہ حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں :

میں نے حضور اقدس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم و ابوبکر صدیق و عمر فاروق و عثمان غنی کے پیچھے
نماز پڑھی ان میں کسی کو بسم اللہ شریف پڑھتے نہ سنا

صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم و خلف ابی بکر و عمر و عثمان فلم اسمع
احدا منهم یقرأ بسم اللہ الرحمن

- | | | |
|-------|--------------------------------|--|
| ۱۱۲/۱ | مطبوعہ مکتبہ امیر یہ بولاق مصر | تبیین الحقائق فصل اذا اراد الدخول فی الصلوۃ |
| ۳۵۵/۱ | مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیع | نصب الراية لاحادیث الهدایہ کتاب الصلوۃ |
| ۲۹۱/۵ | ادارۃ الطباعت المنیریہ بیروت | عمدۃ القاری النوع الرابع اختلاف الفقہاء فی السجۃ |

روایت کیا گیا ہے اس میں کچھ صحیح نہیں۔ اس کو
امام زیلعی نے اپنے مشائخ کی تنقیح قرار دے کر دارقطنی
سے نقل کیا ہے اور محقق نے فتح القدیر میں ذکر کیا۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جہر بسم اللہ میں کوئی
روایت صحیح نہیں۔ اسے ملا علی قاری نے مرقاۃ میں
ذکر کیا۔

ان احادیث کو صحیح احادیث کے معارض قرار دینا
نقل کے فن میں علم والے کو درست نہیں۔ اگر ان روایات
کو فقیہ سن کر غلط فہمی کی بنا پر صحیح گمان کرنے کا خدشہ نہ ہوتا
تو ان کو ذکر نہ کرنا مناسب تھا، اور ان روایات کے
ضعف پر دلیل تمام مسانید و سنن کے مصنفین کا ان
کو ذکر نہ کرنا ہی کافی ہے۔

(د)

خلاصہ یہ کہ وہ احادیث نہ احادیث صحیحہ کے مقابل نہ ذکر کے قابل، ولہذا مصنفان مسانید و سنن نے
ان کے ذکر سے اعراض کیا نقلہ فی نصب الراية (اس کو نصب الراية میں ذکر کیا گیا ہے۔ ت) خود پیشوائے وہابیہ
ابن القیم نے اپنی کتاب مسمی بالبعدی میں لکھا:

ان حدیثوں میں جو صحیح ہے وہ جہر میں صریح نہیں اور جو
جہر میں صریح ہے وہ صحیح نہیں۔ اس کو وہابیوں کے

وسلم فی الجہر فلیس بصحیحہ۔ ذکرہ الامام
الزیلعی عن التنقیح عن مشایخہ عن
الدارقطنی والمحقق فی الفتح۔
امام ابن الجوزی نے کہا:

لم یصح عنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
فی الجہر شیئاً ذکرہ القادی فی السرقاۃ۔

یہاں تک کہ تنقیح میں احادیث جہر لکھ کر فرما گئے:

ہذا الاحادیث فی الجملة لا تحسن بمن لہ
علم بالنقل ان یعارض بها الاحادیث
الصحیحۃ، ولولا ان یعرض للمتفقۃ شہبۃ
عند سماعها فیظنہا صحیحۃ لکان
الاضراب عن ذکرها اولی، ویکفی فی ضعفها
اعراض المصنفین للمسانید والسنن
عن جمہورہا۔

فصحیح تلك الاحادیث غیر صحیح و صحیحہا
غیر صحیح۔ نقلہ امام الوہابیۃ الشوکافی

۳۵۹/۱	مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ	لہ نصب الراية لاحادیث الہدایہ کتاب الصلوۃ
۲۸۶/۲	مکتبہ امدادیہ ملتان	لہ مرقاۃ شرح مشکوۃ باب القراءۃ فی الصلوۃ
۳۵۸/۱	مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ	لہ نصب الراية بحوالہ التنقیح کتاب الصلوۃ
۲۲۸/۲	مصطفیٰ البابانی مصر	لہ نیل الاوطار باب ما جاء فی بسم اللہ الخ

وہ بسم اللہ شریف کا جہزہ فرماتے تھے وہ بسم شریف
آہستہ پڑھتے تھے، یہ امام مسلم کے الفاظ تھے، امام احمد
نسائی اور ابن حبان اپنی صحیح میں اور دوسروں نے اپنی
صحیح سندوں کے ساتھ جیسا کہ فتح القدیر نے بیان کیا ہے
جن کے الفاظ یہ ہیں کہ یہ حضرات بسم اللہ کا جہزہ فرماتے
تھے، اور ابن خزیمہ، طبرانی، ابوالنعیم کے الفاظ یہ ہیں کہ
وہ بسم اللہ کو پوشیدہ پڑھتے تھے، اور ابن ماجہ کے
الفاظ یہ ہیں کہ، کہ وہ سب بسم اللہ کا اخفاء
فرماتے تھے۔ (ت)

الرحیمؑ هذا اللفظ مسلم وفي لفظ للإمام أحمد
والنسائي وابن حبان في صحيحه وغيرهم
بإسناد على شرط الصحيح كما أفاده في الفتح
كانوا لا يجهرون ببسم الله الرحمن الرحيم
وفي لفظ لابن خزيمة والطبراني وأبو نعیم
كانوا يسرون ببسم الله الرحمن الرحيم
ولابن ماجه فكلهم يخفون بسم الله
الرحمن الرحيمؑ

یہ وہ حدیث حلیل ہے جس کی تخریج پر چاروں ائمہ مذہب اور چھٹوں اصحاب صحاح متفق ہیں بلکہ طبرانی
نے انہیں سے روایت کی:

ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم
كان يسرب بسم الله الرحمن الرحيم وأبا بكر
وعمر وعثمان وعليه
بسمك رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وأبو بكر وعمر
وعثمان وعلي رضي الله تعالى عنهم بسم الله شریف آہستہ
پڑھتے تھے۔

امام الأئمة امام البخاري و امام محمد و ترمذي و نسائي و ابن ماجه و غيرهم ابن عبد الله بن مغفل رضي الله تعالى
عنه سے راوی، قال:

- ۱۔ صحیح مسلم باب حجة من قال لا يجهر بالبسملة مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۴۲/۱
۲۔ مسند احمد بن حنبل مروی از انس بن مالک رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۲۴۵، ۱۴۹/۲
۳۔ فتح القدیر باب صفة الصلوة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲۵۲/۱
۴۔ صحیح ابن خزیمہ معنی قول انس رضی اللہ عنہ انهم كانوا يسرون الخ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۲۳۹/۱
۵۔ سنن ابن ماجہ باب افتتاح القرائت مطبوعہ ایچ ایم سعید کتب کراچی ص ۵۹
۶۔ المعجم الکبیر مروی از انس رضی اللہ عنہ حدیث ۳۹ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۲۵۵/۱
۷۔ صحیح ابن خزیمہ معنی قول انس رضی اللہ عنہ انهم كانوا يسرون الخ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۲۵۰/۱
فت: طبرانی کبیر اور صحیح ابن خزیمہ میں عثمان و علی رضی اللہ عنہما کا ذکر نہیں۔ نذیر احمد

سمعتني ابي وانا اقول بسم الله الرحمن الرحيم
فقال اي بني اياك والحدث قال ولم ارا احدا
من اصحاب رسول الله صلى الله تعالى
عليه وسلم كان البعض اليه الحدث في
الاسلام يعني منه قال وصليت مع النبي
صلى الله تعالى عليه وسلم ومع ابي بكر
ومع عمر ومع عثمان فلم اسمع احدا
منهم يقولها فلا تقلها، انت اذا صليت
فقل الحمد لله رب العالمين

یعنی مجھے میرے باپ نے نماز میں بسم اللہ شریف
پڑھتے سنا، فرمایا اے میرے بیٹے! بدعت سے
بچ۔ ابن عبد اللہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے صحابہ میں ان سے زیادہ کسی کو اسلام
میں نئی بات نکالنے کا دشمن نہ دیکھا، انھوں نے
فرمایا میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و ابوبکر
صدیق و عمر فاروق و عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے
ساتھ نماز پڑھی کسی کو بسم اللہ شریف پڑھتے نہیں
سنا تم بھی نہ کہو جب نماز پڑھو الحمد للہ رب العالمین
سے شروع کرو۔

انہی عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی امام کو بسم اللہ جہر سے پڑھتے سنا، پکار کر فرمایا:

يا عبد الله اني صليت خلف رسول الله صلى
الله تعالى عليه وسلم و ابي بكر و عمر
و عثمان رضي الله تعالى عنهم فلم اسمع
احدا منهم يجهر بها. رواه الامام
الاعظم ذكره في الفتح -

اے خدا کے بندے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم و ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ
عنہم کے پیچھے نماز پڑھیں ان میں کسی کو بسم اللہ جہر
سے پڑھتے نہ سنا۔ اس کو امام اعظم رحمہ اللہ نے
روایت کیا اسے فتح میں ذکر کیا گیا۔

امام اعظم و امام محمد و امام احمد و امام طحاوی و امام ابو عمر ابن عبد البر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ
تعالیٰ عنہما سے راوی:

الجهر بسم الله الرحمن الرحيم قراءة
الاعراب

بسم اللہ شریف آواز سے پڑھنی گنواروں کی
قراءت ہے۔

لے جامع الترمذی باب ماجاء فی ترک الجہر بسم اللہ الرحمن الرحيم مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۳۳/۱
سنن ابن ماجہ باب افتتاح القراءات مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۹
لے مسند الامام الاعظم بیان عدم الجہر بالبسملة نور محمد اصح المطابع کراچی ص ۵۸
فتح القدیر باب صفة الصلوة "مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲۵۴/۱
لے شرح معانی الآثار باب قراءت بسم اللہ الخ "ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۰/۱
المصنف لابن ابی شیبہ من کان لا يجهر بسم اللہ الخ "ادارة القرآن الخ کراچی ۴۱۱/۱

نیز اسی جناب سے مروی ہوا :

لم یجهر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
بالبسملۃ حتی مات۔ ذکرہ المحقق فی
الفتح۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی بسم اللہ شریف کا جہر
نہ فرمایا یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے گئے۔ اسے
محقق نے فتح میں ذکر کیا۔

اثرم بسند صحیح عکرمہ تابعی شاگرد خاص حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی :
انا اعرابی ان جہرت ببسم اللہ الرحمن الرحیم۔
سعد بن منصور اپنی سنن میں راوی :

میں گنوار ہوں اگر بسم اللہ شریف جہر سے پڑھوں۔

حدیثنا حماد بن نرید عن کثیر بن شظیر ان
الحسن سئل عن الجہر بالبسملۃ فقال
انما یفعل ذلک الاعراب۔

حماد بن زید نے کثیر بن شظیر سے بیان کیا کہ امام حسن
بصری سے جہر بسم اللہ کا حکم پوچھا گیا، فرمایا یہ
گنواروں کا کام ہے۔

ابن ابی شیبہ اپنے مصنف میں امام ابراہیم نخعی تابعی سے راوی : الجہر ببسم اللہ الرحمن الرحیم
بدعت۔ بسم اللہ شریف جہر سے کہنا بدعت ہے۔ اثرم انھیں سے راوی :
ما درکت احدا یجہر ببسم اللہ الرحمن الرحیم
والجہر بہا بدعت۔

میں نے قطیبہ و تابعین میں کسی کو بسم اللہ شریف کا جہر
کوئی نہ پایا اس کا جہر بدعت ہے۔

سبحان اللہ ! حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تو اتر درکنار ان حضرات عالیہ کے نزدیک کچھ بھی
ثبوت ہوتا تو کیا یہ اجلہ صحابہ و تابعین معاذ اللہ اسے بدعت بتاتے یا گنواروں کا فعل کر سکتے تھے و لکن الجہر
یقولون ما لا یعلمون (لیکن جاہل لوگ غیر معلوم باتیں کرتے ہیں۔ ت) نہایت کہ امام الفقہ امام المحدثین
اوحدا الاولیا و احدا المجتہدین سیدنا امام سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اختیار جہر بسم اللہ کا قول سخت مجرور
مجرمانا اور اس کے اخفا کو افضل و اولیٰ سمجھنا تمہ عقائد اہل سنت جانا محدث لاکافی کتاب السنہ میں بسند
صحیح راوی :

لے فتح القدیر باب صفۃ الصلوۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲۵۴/۱

۳۵۸/۱ ۳۵۸/۱ ۴۱۱/۱ ۳۵۸/۱

نصب الرایۃ لاحادیث الہدایہ بحوالہ سنن سعید بن منصور کتاب الصلوۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ
کے مصنف ابن ابی شیبہ من کان لا یجہر ببسم اللہ الخ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی
نصب الرایۃ لاحادیث الہدایہ بحوالہ الاثرم کتاب الصلوۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ

ہے نماز میں اخفا ہی کرے اور بیرون نماز بھی اتباع قاری خاص صرف بر وجہ اولویت ہے نہ بطور وجوب و لزوم و ضرورت۔

لما قد منان القراءات كلها حقة بالیقین
لا احتمال فيها للخطأ ولا ينافي بعضها بعضا
فلا يجزئ في شيء منها لاجتماع ولا افراد ماله
يؤد التلويق الى التغير بخلاف المجتهدات
الخلافة فان المجتهد يخطئ ويصيب فلا
نقد وعما اعتقدنا انه صواب يحتمل الخطأ
الى ما ظننا انه خطأ يحتمل الصواب ولئن
لفقت لربما اتفق الا قوال على فساد العمل۔
جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ تمام قراءات برحق
ہیں، ان میں خطا کا احتمال نہیں ہے اور ایک دوسرے
کے منافی بھی نہیں ہیں، لہذا ان کو ملا کر پڑھنا یا علیحدہ علیحدہ
پڑھنا اس وقت تک جائز ہے جب تک ان کا مختلف
انداز معنی کی تبدیلی پیدا نہ کرے۔ اس کے برخلاف
اجتہادی اختلافی مسائل میں چونکہ مجتہد کے اجتہاد میں
درستی اور خطا دونوں کا احتمال موجود ہے اس لئے
وہاں ہم اپنے ظن میں درست کو اپنائیں گے اور جس
کو ہم خطا سمجھیں گے اس کو نہیں اپنائیں گے کیونکہ ہم اعتقاد کے پابند ہیں اگرچہ فی الواقع اس کی خطا کا احتمال
ہے، اور یہاں اجتہادی مسائل میں مختلف مجتہدین کے اجتہاد کو اپنانا عمل میں فساد پیدا کر دے گا۔ (ت)

مجتبیٰ شرح قدوری پھر کفایہ شرح ہدایہ پھر رد المحتار حاشیہ در مختار میں ہے:

لا يجهر بها في الصلوة عندنا خلافا للشافعي
وفي خارج الصلوة اختلاف الروايات و
المشايع في التعوذ والتسمية قيل يخفى
التعوذ دون التسمية والصحيح انه يتخير
فيهما ولكن يتبع امامه من القراء
وهم يجهرون بهما الا حمزة فانه
يخفيهما۔
ہمارے نزدیک نماز میں جہر نہیں ہے، امام شافعی
اس کے خلاف ہیں، اور خارج از نماز بسم اللہ اور
اعوذ باللہ میں مشائخ اور روایات کا اختلاف ہے
ایک قول میں اعوذ باللہ کو مخفی اور بسم اللہ کو جہر کے
ساتھ لیکن صحیح یہ ہے قاری کو اختیار ہے کہ دونوں
کو آہستہ پڑھے یا بلند پڑھے، لیکن ائمہ قراء میں
اپنا امام کی اتباع بہتر ہے امام حمزہ جہر کے قائل
نہیں ہیں باقی ائمہ جہر کے قائل ہیں (ت)

بحمد اللہ تعالیٰ یہ خیالات جدیدہ وہابیہ کے رد میں ہمارے علماء کا قصص صریح ہے۔

افادۃ سابعہ عشر اقول وباللہ التوفیق حقیقت امر یہ ہے کہ روایات قراء

لہ رد المحتار بحوالہ الکفایۃ عن المجتبیٰ فصل واذا اراد الشروع فی الصلوۃ الخ مطبوعہ علیہ السلام سیدہ مکتبی کراچی ۱/۴۹۰

طبقة فطبة قرناً فقراً بذر لہ تدبیرس تعلیم و تلقی تلامذہ عن الشیوخ ہیں تو یہ جہر و اخفا اوقات تعلیم و اقرار کی خبر دیتے ہیں نہ خاص حال نماز کی حضور پر نور سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد تو طریقہ تعلیم قرآن عظیم معین رہا کہ تلامذہ پڑھتے استاد سنتے بتاتے تزیہ کہ نمازوں میں سن کر سیکھتے جس میں سوال و جواب و تفہیم و تفہیم کا کوئی موقع نہیں، بیرون نماز بھی قرأت الشیوخ کا دستور نہ تھا بلکہ اسے ناکافی سمجھتے اگرچہ یہاں ممکن تھا کہ جو طرزِ ادا تلمیذ کی سمجھ میں نہ آتا دریافت کر لیا استاد اعادہ کر دیتا۔ اتفاق شریف میں ہے :

اوجه التحمل عند اهل الحديث السماع
من لفظ الشيخ والقراءة عليه، والسماع
عليه بقراءة غيره، والمناولة والاجازة
والمكاتبة والعرضية والاعلام والوجادة،
فاما غير الادلين فلا ياتي هنالما يعلم مما
سند كره، واما القراءة على الشيخ فهي
المستعملة سلفاً وخلفاً، واما السماع من
لفظ الشيخ فيحتمل ان يقال به هاتان
الصحابة رضي الله عنهم انما اخذوا القرآن
من في النبي صلى الله تعالى عليه وسلم
لكن لم يأخذ به احد من القراء والمنع فيه
ظاهر لان المقصود ههنا كيفية الاداء و
ليس كل من سمع من لفظ الشيخ يقدر
على الاداء كهياتة، بخلاف الحديث
فان المقصود فيه المعنى او اللفظ لا بالهيات
المعتبرة في اداء القرآن، واما الصحابة
فكانت فصاحتهم وطباعهم السليمة تفقني
قدرتهم على الاداء كما سمعوه من النبي
صلى الله تعالى عليه وسلم لانه نزل
بلغتهم، ومما يدل للقراءة على الشيخ

محدثین کے ہاں اپنے شیخ سے حدیث اخذ کرنے کے کئی طریقے ہیں، شیخ کے الفاظ کو سننا، شیخ پر پڑھنا، دوسرے شاگرد کو پڑھتے ہوئے سننا، لکھے ہوئے کو لینا، مرویات کی اجازت لینا، لکھنا، وصیت کے طور پر اپنانا، اطلاع حاصل کرنا، شیخ کے لکھے ہوئے کو پہچان کر یاد کرنا، لیکن قرآن کی قرأت کے بارے میں پہلے دو طریقوں کے علاوہ دوسرے طریقے جائز نہیں جیسا کہ اس کی وجہ ہم بیان کریں گے، یہاں قرأت میں شیخ پر شاگرد کا پڑھنا ابتداء سے آج تک مروج ہے اور شیخ سے سننا بھی یہاں جائز ہو سکتا ہے کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے فتدآن کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے سن کر اخذ کیا ہے، لیکن قراء حضرات نے اس طریقہ کو نہیں اپنایا اس کی وجہ یہ ہے کہ قراءۃ میں ادائیگی کی کیفیت حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے، اور یہ ضروری نہیں کہ استاذ کی ادائیگی کی کیفیت کو محض سننے پر اذہ کر لے، لہذا قراءت میں یہ طریقہ منع ہے مگر حدیث میں معاملہ اس کے برخلاف ہے کیونکہ یہاں معنی یا لفظ مقصود ہوتے ہیں لیکن ادائیگی والی کیفیت قرآن کی طرح یہاں معتبر نہیں ہے، ہاں صحابہ کرام کا معاملہ

عرض النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم القرآن
علیٰ جدیل فی رمضان کل عام ۱۹
انگ ہے کیونکہ وہ اپنی فصاحت اور سلامتی طبع کی بنا پر
حضور علیہ السلام سے سن کر قرأت کو اسی کیفیت سے
اداکر نے پر قدرت رکھتے تھے اور اس لئے بھی کہ قرآن ان کی لغت میں نازل ہوا ہے، اور قرآن کو اخذ کرنے میں شیخ
کو سنانے والا طریقہ اس لئے بھی جائز ہے کہ ہر سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رمضان میں جبرائیل علیہ السلام کو
قرآن سناتے تھے (ت)

اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اگرچہ بسبب کمال افادہ حضور فاعل کامل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و نہایت
استعداد نفوس قابل رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سن کر سیکھا مگر وہ بھی بطور تعلیم و تلقین
ظاہر و باطن و نظم و معنی و حکم و حکمت تھانہ یوں کہ صرف نماز میں قرأت اقدس سے لفظ یا ذکر لئے، صحابہ کرام دس
آیتیں مع ان کے علم و عمل کے سیکھتے جب ان پر قادر ہو جاتے دس اور تعلم فرماتے۔ اسی طرح امیر المؤمنین عمر فاروق
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارہ برس میں سورۃ بقرہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پڑھی جب ختم فرمائی ایک نٹ ذبح
کیا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آٹھ سال میں پڑھی کہ جس قدر تدریس زائد و یر زائد۔ ابن عساکر حضرت عبداللہ بن مسعود
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی قال :

کنا اذا تعلمنا من النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم عشر آیات من القرآن لم نتعلم من
العشر التي نزلت بعدها حتى نعلم ما فیہ
فقیل لشریک من العمل قال نعم ۱۰

ابوبکر بن ابی شیبہ اپنی مصنف میں ابو عبد الرحمن سلمیٰ سے راوی، قال ،

حدثنا من کان یقینا من اصحاب رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہم کان یقترون
من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
عشر آیات ولا یأخذون فی العشر الاخری
صحابہ کرام میں سے جو حضرات ہمیں قرأت پڑھاتے انہوں
نے فرمایا ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دس آیات
پڑھتے اور ان کے بعد دس آیات کو اس وقت تک
اخذ نہ کرتے جب تک پہلی دس آیات کے علم و عمل کو

حتیٰ یعلموا ما فی هذه من العلم والعمل فانما
علمنا العلم والعمل لے
نہ سیکھ لیتے، یوں ہم علم اور عمل دونوں کو حاصل
کرتے۔ (د)

ابن سعد طبقات میں بطریق عبد اللہ بن جعفر عن ابی الخضر عن میمون اور امام مالک موطا میں بلاغاً راوی :
ان ابن عمر تعلم البقرة فی ثمان سنین ۱۰
بیشک عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۃ البقرہ
کو آٹھ سال میں سیکھا۔ (د)

خطیب بغدادی کتاب رواد مالک میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، قال :
تعلم عمر البقرة فی اثنتی عشرة سنة فلما
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۃ البقرہ کو بارہ سال
میں سیکھا، جب انہوں نے اسے ختم کیا تو ایک
اونٹ ذبح کیا۔ (د)

تو ظاہر ہوا کہ یہ روایات جہر و اخفا قراءات خارج از نماز کی نقل ہیں اب بحمد اللہ تعالیٰ اس ارشاد علماء کا راز واضح
ہوا کہ بیرون نماز اتباع امام قرات مناسب ہے اس کی نظیر منیر مسئلہ تعوذ ہے عامۃ قرا کا اس کے جہر پر
اتفاق ہے۔ امام اہل ابو عمرو دانی نے اس پر اجماع اہل ادا نقل فرمایا، امام عارف باللہ شاطبی نے باوصف
حکایت خلاف تصریح فرمائی کہ ہمارے حفاظ و رواۃ اس کا اخفا نہیں مانتے۔ تیسیر باب ذکر الاستعاذہ
میں ہے :

لا اعلم خلافا بین اهل الاداء فی الجهر بها
عند افتتاح القرآن وعند الايتاء بروس
الاجزاء وغيرها فی مذهب الجماعة اتباعا
للنص واقتداء بالسنة ۱۰
قرآنی نص اور سنت کی اتباع میں قرآن کی ابتداء میں
اور پاروں وغیرہ کی ابتداء میں تلاوت شروع کرتے
وقت جیسا کہ ایک جماعت کا مذہب ہے۔ اعوذ باللہ کو
جہر سے پڑھنے میں اہل ادا یعنی قراء حضرات کا اختلاف
نہیں ہے۔ (د)

عہ ای وان جاءت الرواية على النحاء فصلها ۱۲ انت
اگرچہ تعوذ کے بارے میں مختلف صورتیں مروی ہیں ۱۲ انت

۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ کتاب فضائل قرآن ۱۵۵ حدیث ۹۹۷۸ مطبوعہ ادارة القرآن کراچی ۱۰/۴۰
۲۔ موطا امام مالک باب ما جاء فی القرآن مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ۱۰/۱۹۰
۳۔ رواد مالک للخطیب بغدادی باب ذکر الاستعاذہ
۴۔ تیسیر باب ذکر الاستعاذہ

حرز الامانی ووجہ التہانی میں ارشاد فرمایا : سے

اذا ما اردت الدهر تقرم فاستعذ
 جھاسا من الشيطان بالله مسجلاً
 (تو زندگی بھر جب بھی قرآن کی قراءت کرے تو اعوذ باللہ کو بلند آواز سے پڑھ، مسجلاً ت)
 سراج القاری میں ہے :

”قوله مسجلاً ای مطلقاً لجميع القراء و
 فی جمیع القراءت“
 اس کا قول مسجلاً یعنی تمام قراء حضرات کے نزدیک
 اور تمام قرآن میں۔ (ت)
 پھر فرمایا : سے

واخفاؤه فصل آباء وعائنا
 وکم من فقی کالمہدی فیہ اعمالہ

اس کی شرح میں ہے :

ای دوی اخفاء التعود عن حمزة و نافع اشار
 الی حمزة بالفاء من فصل و الی نافع بالالف
 من آباء و جہربہ الباقون و ہم ابن کثیر و
 ابو عمرو و ابن عامر و عاصم و الکسائی
 هذا هو المقصود بهذا النظم بالباطن
 ونبہ بظاہر علی ان من ترجع قراءتہ الیہم
 من الامة ابوا الاخفاء و لم یأخذوا بہ بل
 أخذوا بالجهري للجميع و لذلك امر بہ
 مطلقاً فی اول الباب گئے ملخصاً

یعنی امام حمزہ اور نافع سے اعوذ باللہ کا اخفاء مروی ہے
 ”فصل“ کی فاء سے حمزہ کی طرف ”آباء“ کے الف سے
 نافع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور باقی قراء حضرات نے
 اعوذ باللہ کو جہر مانا ہے اور باقی حضرات یہ ہیں : ابن کثیر،
 ابو عمرو، ابن عامر، عاصم اور امام کسائی۔ باطنی طور پر
 اس نظم کا یہ مقصد ہے، اور ظاہر میں انھوں نے یہ تنبیہ کی ہے
 کہ جن ائمہ کی طرف قراءت منسوب ہے انھوں نے اخفاء
 کا انکار کیا ہے اور اس پر عمل نہیں کیا بلکہ انھوں نے
 اعوذ باللہ کا جہر کیا ہے اور یہاں اول میں مطلقاً کہہ کر تمام
 قرآن میں تعوذ کے جہر کی طرف اشارہ کیا ہے (ت)

۱۰ ص	مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر	باب الاستعاذہ	سہ حرز الامانی ووجہ التہانی
۳۱ ص	” ” ” ”	باب الاستعاذہ	سہ سراج القاری المبتدی شرح منظومہ حرز الامانی
۱۰ ص	مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر	باب الاستعاذہ	سہ حرز الامانی ووجہ التہانی
۳۲ ص	” ” ” ”	باب الاستعاذہ	سہ سراج القاری المبتدی شرح منظومہ حرز الامانی

اب کون عاقل کے گا کہ یہ اطلاق جمہور روادۃ و اتفاق جمیع اہل ادا نماز وغیر نماز سب کو شامل وہ سب تمام قراء کے طور پر نماز میں بھی اعوذ بکھر پڑھتے تھے، ناشائککہ قطعاً یہ روایات و نقول سب محل روایت و تلاوت بیرون نماز سے متعلق ہیں لا جرم شرح میں فرمایا :

قوله فاستعذ جھاس اھو المختار لسائر القراء وهذا فی الاستعاذۃ القاری علی المقرئ
او بحضرة من یسمع قرأته اما من قرأ خالیاً او فی الصلوة فالأخفاء اولیٰ
اس کا قول ”جھادائیہ“ تمام قراء حضرات کا قول ہے، یہ اس صورت میں ہے جب قاری استاذ کے سامنے یا مجمع میں پڑھے۔ لیکن اگر کوئی شخص خلوت میں یا نماز میں قرائت کرے تو پھر اخفاء کرنا اولیٰ ہے (ت)
امام جلیل جلال سیوطی اتفاق میں کتاب النشر امام القراء محمد محمد ابن الجزری سے ناقل :

المختار عند الثمة القراءة الجهر بها وقيل یسر مطلقاً وقيل فیما عدا القانتحة وقد اطلقوا اختیار الجهر وقیدہ ابو شامہ بقید لا ید منه وهو ان یکون بحضرة من یسمعه لان الجهر بالتعویذ اقلها و شفعان
القراءة کالجهر بالتبلیة و تکبیرات العید ومن فوائدہ ان السامع ینصت للقراءة من اولها لا یقوتہ منها شیء واذا اخفی التعویذ لم یعلم السامع بها الا بعد ان فاتہ من المقر و شیء وهذا المعنی هو الفارق بین القراءة فی الصلوة وخارجها
قراۃ کے ائمہ کے ہاں اعوذ باللہ کا جہر ہے اور ایک قول میں یہ ہے کہ اس کو مطلقاً آہستہ پڑھے، اور ایک قول میں ہے کہ سورہ فاتحہ کے علاوہ باقی قرآن میں آہستہ پڑھے جبکہ جہر کا عموم رائج ہے، اور ابو شامہ نے اس جہر کو ایک ضروری قید سے مقید کیا ہے کہ جب مجلس میں سننے والے ہوں تو جہر کرے کیونکہ اعوذ باللہ کا جہر قراءۃ کا شمار ہے اور اس کا ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ جب قاری اعوذ باللہ کا جہر کرے گا تو سامع ابتداء سے ہی خاموشی سے سُننا شروع کرے گا اور اس کا سماع فوت نہ ہوگا، اور جب اعوذ باللہ کو آہستہ پڑھے گا تو سامع کو تلاوت کے شروع ہونے کا علم نہ ہونے کی وجہ سے کچھ سماع ابتداءً فوت ہو جائے گا، نماز اور خارج نماز اعوذ باللہ کے بارے میں یہی وجہ فرق ہے۔ (ت)

افادۃ خامسہ عشر قرآنیت بسم اللہ ضروری ہے مگر وہ ہرگز من حیث الروایہ ثابت

نہیں بلکہ کتابت مصاحف و اجماع علی التجرید سے، ولہذا جب امام ولی صالح قدس سرہ المجید نے قصیدہ میں فرمایا:

وبسمل بین السورتین بسنة

سجال نموھا دریة و تحملا

(دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ سنت صحابہ سے ثابت ہے جس کو انھوں نے جاری رکھا، عقل و نقل کے طور پر)

شارح علامہ نے صاف تصریح فرمادی کہ اس ادا بالسنة التي نموھا کتابة الصحابة لہا فی المصحف (سنة التي نموھا سے مراد صحابہ کرام کا بسم اللہ کو مصحف شریف میں لکھا ہے۔ ت) پھر اس کا حاصل بھی صرف اس قدر کہ بسم اللہ کلام الہی ہے نہ یہ کہ ہر سورت کی جہز ہے یا ختم میں ہر جگہ اُس کا جہز لازم کما صرفی الافادة السادسة (جیسا کہ چھٹے افادہ میں گزرا۔ ت) اور جب اسے چھوڑ کر نفس روایت بمعنی متعارف کی راہ لیجئے اور صرف اس کی صحت کو مناظرمان کرا ثبات مدعا کا حوصلہ کیجئے تو یہ محض باطل و ہوس عاقل فقط صحت روایت پر مدبر قراءت ہونے سے کیا مقصود ہے، آیا یہ کہ صرف اس قدر سے قرآنیت ثابت ہو جاتی ہے تو قطعاً مردود کہ قرآنیت بے دلیل قطعی یقیناً مفقود، افادہ ششم میں اس کا بیان موجود۔

اقول ولا نسلم انه في القرآن حقی معلوم السبعة ما لم يتواتر وان اشتهر ببل القرآن متواتر قطعاً بجميع اجزائه وان لم تقف انت علی تواتر بعضه فلیس من شرط المتواتر تواتر عندك۔

اقول (میں کہتا ہوں) قرآن ہونا محض شہرت سے اگرچہ قرآن سبعة سے منقول ہو ثابت نہیں ہوگا جب تک قطعی تواتر سے تمام اجزاء منقول نہ ہوں، اگرچہ تواتر کا بعض اجزاء کے بارے میں علم نہیں تو متواتر ہونے کے لئے تیرے ہاں تواتر ضروری بھی نہیں ہے۔ (ت)

اتقان میں ہے :

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو کچھ قرآن کا حصہ ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود اور اس کے تمام اجزاء متواتر ہوں، قرآنی حصہ کا محل، مقام اور ترتیب بھی اسی طرح متواتر ہونا اہل سنت کے محققین کے ہاں ضروری ہے کیونکہ اس معاملہ میں تفصیل عادتاً تواتر سے ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ

لا خلاف ان کل ما هو من القرآن
يجب ان يكون متواتراً في اصله و اجزائه
واما في محله و وضعه و ترتيبه
فكذلك عند محققى اهل السنة
للقطع بان العادة تقضى بالتواتر
في تفاصيل مثله لان هذا

المعجز العظيم الذي هو اصل الدين القويم والصراط المستقيم مما تتوفر الدواعي على نقل جملة وتفصيله فما نقل احاد اولم يتواتر يقطع بانه ليس من القران قطعاً الخ۔

اور اگر یہ مراد کہ جب روایت صحیح ہو ورنہ کریں گے صرف اسی قدر پر پڑنا جائز سمجھیں گے تو اولاً یہ بھی چاروں مذہب میں باطل جمہور محققین شراہ و محدثین و فقہاء و اصولیین اس کے بطلان کے قائل،

اقول كيف لا وانما الكلام في قراءته قرانا و هي موقوفة على ثبوت قرأته الموقوفة على تواترها والا فلا شك في جواز قراءه الاحاد بل الشواذ للاحتجاج بها في حكم كخبر الواحد والاستشهاد بها على مسئلة ادبية مثلاً اذا لم يعتقد قرأتهها ولم يوهبها والاحرم باجماع المسلمين كما نص عليه في غيث النفع عن ابى القاسم النويري في شرح طيبة النشر عن الامام ابى عمر في التمهيد۔

اقول یہ کیسے نہ ہو جبکہ بحث قرآن ہونے کے لحاظ سے قراءت میں ہے، قراءت بطور قرآن کا ثبوت اس کے قرآن ہونے پر اور قرآن ہونا موقوف ہے اس کے تواتر پر، ورنہ محض قراءت کا جواز تو احاد بلکہ شاذ سے بھی ثابت ہو جاتا ہے جبکہ اس سے کسی حکم کا استدلال کرنا ہو جیسا کہ خبر واحد کا حکم ہے یا اس کو کسی ادب کے بارے میں مسئلہ پر شاہد بنانا مقصود ہو بشرطیکہ اسے قرآن نہ سمجھا جائے اور نہ ہی اس سے قرآن ہونے کا وہم پیدا ہو، ورنہ قرآن ہونے کا اعتقاد کرنا تمام مسلمانوں کے اجماع پر حرام ہے جیسا کہ اس کی تصریح غیث النفع میں ابوالقاسم نویری کے حوالہ سے کی ہے کہ انھوں نے طيبة النشر کی شرح میں امام ابو عمر کے حوالہ سے کہ انھوں نے تمہید میں ذکر کیا ہے۔ (د)

غیث النفع میں ہے،

مذہب الاصولیین و فقہاء المذاهب الاربعة والمحدثین والقراء المتواتر شرط في صحة القراءة ولا تثبت

اہل اصول، چاروں فقہاء کرام، محدثین اور شراہ حضرات کا مذہب یہ ہے کہ قرآن کی قراءت کے طور پر متواتر ہونا ضروری ہے، اور محض صحیح سند سے ثابت ہونا

ثانیاً اگر بالفرض یہ مسلم بھی ہو تو اس سے حاصل کتنا جواز قرائت نہ ہو جو قرآنیت، یہ محض ایک امر زائد و خارج ہے جس سے نہ لزوم و ضرورت ثابت ہو سکے نہ بحال ترک کسی عاقل کے نزدیک حکم نقصان ختم کی راہ ملے،
اللہم الا عند مجنون نابذ العقول لا یسمع اے اللہ! مگر جو مجنون بے عقل ہو جو بات کو نہ سنے نہ سمجھے
ما یقال ولا یدری ما یقول۔
کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ (ت)

بالجملہ یہاں تین چیزیں اثبات میں لیں کتابت مصاحف، روایت منصوصہ۔
اول تو اوّل بحث سے محض برکراں جس سے جزئیات سورہ درکنار قرآنیت کا اثبات بھی ظاہر البطلان۔
ثانیاً روایات جہر و اثبات سب بیرون نماز کی حکایات اُس سے مطلق نماز یا خاص تراویح پر حکم ناقابل التفات۔

ثالثاً بفرض باطل بطور مناظرہ ادعائے نقصان ختم میں یوں بھی کلام کہ خلاف و اثبات دونوں طور پر قرآن تمام۔
دوم ثبوت قرآنیت پر ضرور دلیل مبین مگر حاشا جزئیات سورہ و جہر فی الصلوٰۃ سے علاقہ نہیں نہ تکرر نزول تعدد آیات پر دلیل معقول تو ایک بار پر اقصا میں نقصان ختم کا زعم مخدول۔

سوم کی دو صورتیں ہیں: تو اترا یا مجر د صحت، اور ہر ایک دربارہ جہر فی التراویح یا در باب جزئیات
بسم اللہ شریف میں تو اترا نہ تو سر سے دربارہ قرآنیت ہی نہیں تا جہر یا جہریت چہرہ اور جہر نہ کو در جزئیات سورہ میں
نفس صحت معدوم تا جہر تہر کشد خود قائلان جزئیات مصرحان ظنیات اور نافیان ظنیات اور عند التحقیق انتفاء قطعیّت خود انتفاء جہریت و لہذا
صحابہ و تابعین و جمہور ائمہ دین کو اس سے انکار اور قول جزئیات کے محدث و نو پیدا ہونے کا صاف اظہار ہاں صرف
دربارہ فاتحہ بعض اخبار آحاد نہ کو کہ عند المحققین مخالفت قاطع کے سبب مجہور اور مجر د صحت روایت پر اقصا
قناعت باطل و مقہور، پھر علی التسلیم اُن سے ثابت ہو گا تو وہ امر جدید جو دعویٰ مخالفت کے عموم و خصوص دونوں کا
مخالفت و رد شدیدی یعنی صرف جزئیات فاتحہ تو ہر سورت پر جہر کے لئے یہ تعمیم سورہ کا رد ہو اور فاتحہ کے ساتھ قرآن
جہر میں اخفاء کس وجہ سے اُس نے تخصیص تراویح کو باطل کیا یہ تو امور ثابتہ تھے و لو بوجہ جن میں مخالفت کے لئے
اصلاً سند نہ کوئی صورت کسی پہلو پر اُس کی مستند اور یہیں سے واضح کہ مسئلہ کو منصوص قطعیہ اجماعیہ غیر اجتہادیہ
ماننا مذہب کو اس میں دخل نہ جانتا محض جبل مسترد اب نہ رہا مگر یہ جاہلانہ زعم زاعم کہ جزئیات سورہ یا جہر فی التراویح
مذہب عامہ اور اُن کی قرائت کے آخذ پر جہر و اخفاء نماز میں اُن کا اتباع لازم اول ائمہ قرائت رافضیہ او تہمت
اور ثانی محض جبل و سفاہت مخالفت تصریح ائمہ حنفیت فقرض حفاظ حنفیہ پر سر ہر سورت پر جہر جہر محض ظلم و قہر۔
نہ شرع سے اس پر دلیل قائم بلکہ دلائل شرعیہ اصلہ و فرعیہ ہمارے قول پر حاکم ہمارے ہی قول کی ناصر و داعی مصالح شرعیہ
ہمارے ہی قول کی طرف داعی و اللہ الحمد والعنة والصلوة والسلام علی نبینا سید الانس والجنۃ و آلہ وصحبہ
سادات الجنۃ۔ آمین!

تذیل

الحمد للہ آفتاب عالم تاب حق و صواب بے نقاب و حجاب شک و ارتباب جلوہ فرمائے منظر احباب ہوا اب کیا حاجت کہ حشویات زائدہ و لغویات بے فائدہ کے رد و ابطال میں تضيیع وقت کیجئے زید بے قید اپنی شدت جہالت و قوت سفاہت کے باعث خود اس قابل نہیں کہ اس کی بات قابل التفات ہو اس نے کوئی مطلب روشن علم پر تحریر نہ کیا نہ ورثہ تناقض و شور تعارض نے جا بجا اپنا ہی لکھا خود رد کر دیا عناد و اجتر او مکارہ و افتراء سب و شتم علمائے کرام بیت اللہ الحرام کے ماوراء جو باتیں اصل مقصد میں لکھیں اپنے دونوں مقبوعوں ہی کے کلام سے اخذ کیں مقبوعین میں گنگوہی صاحب نے طرف تماشا کیا کہ اول تو اپنے پیشوا جناب قاری صاحب کا صاف رد لکھی قاری صاحب نے فرمایا تھا اس مسئلے میں مذہب کو کچھ دخل نہیں گنگوہی صاحب فرماتے ہیں قبلہ یہ باطل مبہین دخل نہ ہوتا کیا معنی صریح اجتہاد یہ ہے حصص کا مذہب جسہ امام اعظم کا مذہب اخفاء ہے جس کی پیروی نیچے درست و بجا ہے ، قاری صاحب بھر فی الختم اگر یہ نماز میں ہو حصص کی روایت ہے ، عاصم کی قراءت ہے منقول عن الرسول بروج صحت ہے ، گنگوہی صاحب حضرت نہیں بلکہ حفظ کی رائے ہے عقلی اجتہاد سے ، ہاں مذہب سب بجا ہیں یوں حق و رشاد ہے ، قاری صاحب یہ اُن امور سے جن میں نزاع کی گنجائش ہی نہیں یہاں تک کہ بد مذہب بھی خلاف سے کنارہ گزریں ، گنگوہی صاحب قبلہ یہ لاف ہے صاف گراف ہے ، خود ائمہ سنت نزاع کر رہے ہیں ، خود امام اعظم کا صریح خلاف ہے ، قاری صاحب یہاں چاروں مذہب میں صرف صحت روایت پر مدار کار ہے ، گنگوہی صاحب حضرت پیاروں و رکنانہ خود اپنے مذہب میں اس سے انکار ہے ، قاری صاحب جب مسئلہ بروایت صحیحہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول ہو چکا خلاف ابو حنیفہ باقی ہی کب رہا ، اذا صح الحدیث فهو مذهبی (جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے ۔ ت) قول احناف بے تو بعد صحت روایت خلاف و مخالف سے مطلع صاف ہے گنگوہی صاحب قبلہ یہ تو بدایت مردود ، خلاف امام اعظم قطعاً موجود ، قاری صاحب بعد صحت روایت کسی مذہب کی کیا حاجت یعنی کوئی خلاف کرے بھی تو کیا قابل سماعت ، گنگوہی صاحب واہ حضرت سب حق و ہدایت جس کی اقتداء کرو ابتداء کی بشارت ، عنہ رض اولاً قاری صاحب کے خیالات کا رد لکھی فرما کر اخیر میں سارا دھڑا قاری صاحب کے سر و ہر کہ یہ شب کچھ ہے مگر حافظوں پر وہی ضرور جو حضرت قبلہ قاری صاحب کو منظور ، ملک خدا نے غالب کا حکم جناب قاری صاحب کا ، جو ہر سورت پر جہر بسم اللہ نہ کرے گا ختم کامل کے ثواب سے محروم پھرے گا ۔

اقول ان سب خرافاتوں کا ردِ بالغ و طرزِ بازغ، تو طرح طرح سے افادات میں گزرا، یہاں حضرت **اولاً** اتنا دریافت کرنا ہے کہ جب سب مذہب حق تھے سب کا اتباع ہدایتِ سب کے اقتدا کی عام اجازت تو اب حفاظ پر خاص ایک ہی کا اتباع کیوں لازم و ضرور ہو گیا، حفص کا خلاف تو پہلے بھی معلوم ہی تھا اُس وقت تو آپ یہی فرما رہے تھے کہ اِس میں عیب نہ اُس میں حرج۔ اب قاری صاحب کے فرمان میں کیا کسی تازہ وحی نے نزول کیا جس نے ایک حق کو ناجی، ایک ہدایت کو ضلالت، ایک جائز کو ناجائز کر دیا۔

ثانیاً یہ آپ فتویٰ لکھ رہے ہیں یا کوئی اپنی خانگی پناہیت، قاری صاحب کا فرمان حدیث ہے یا آیت یا فقہی روایت، کون سی شرعی حجت۔

ثالثاً ثبوت تو دیکھئے کہ مذہب حفص تمام سور میں جزئیتِ بسال تھا۔

رابعاً پہلے اسی سے چلئے کہ امام حفص کو منصبِ اجتہاد حاصل تھا۔

خامساً مسئلہ اجتہاد یہ ہے یا نہیں، اگر نہیں تو اپنے فتویٰ میں ذکر فرمانِ پانی پت تک جو کچھ لکھا سب پر پانی پھیر لے اور اگر ہاں تو آپ اجتہادیات میں امامِ اعظم ملت امامِ ائمہ امت کے مقلد ہیں یا مجتہد العصر پانی پت کے، باتباع ہوا تقلیدِ امام کو آگ دکھانا، پانی پت کی خاک پر دھونی رمانا، کس نے مانا اور یوں بھی سہی تو آپ کو اپنی ذات کا اختیارِ مسلم حنفیہ کو اُن کے خلاف امامِ فتویٰ بتانا کیسا مستم، افسوس کہ آپ نے اول تو تقلیدِ شخصی کو ایسا چھوڑا کہ سب مذہب بجا سب پر عمل روا، آخر میں پکڑا تو ایسا پکڑا کہ امام کا اتباع متروک و مجہور، اور تقلیدِ پانی پت کی پت رکھنی ضرور، اس شترِ گرگی کی کیا سند، ضلت علی الکسد و بکلت عن النقد (شیر پر حملہ کیا اور بکری کے ڈر سے پیشاب آگیا۔) خیر انھوں نے تو سب ڈھلی بگڑی، قاری صاحب پر ڈھال کر اُن کی ڈھال پکڑی۔ قاری صاحب کی سُنئے تو اُن سے بہت کچھ کہنا ہے:

یکم وہ بھی کوئی سند نہ لاسکے، ایک کتاب کی عبارت بھی نہ دکھاسکے، اور عاقل جانتا ہے کہ محلِ فتویٰ میں ادعائے بے دلیل، ذلیل و علیل۔

دوم سند دکھانا کہاں کا خوب جانتے تھے کہ یہ جملے خلافِ مذہب کہے، لہذا وہ راہ چلے کہ اتباعِ مذہب کا جھگڑا ہی نہ رہے، اتنی عمر آئی غیر مقلدوں سے معرض ہیں، ترکِ تقلید پر معرض ہیں، انھیں گمراہ و مفسد بتایا کرتے ہیں، تحریراً و تقریراً جلی گٹی سنایا کرتے ہیں، اب کہ اپنا اجتہاد گرمایا، وہ کچھ فرمایا کہ انھیں بھی شرمایا، بعدِ صحبت روایت کسی مذہب کی کیا حاجت، عمل بالحدیث ہی طاقی انصاف ہے، جب حدیث صحیح ہو پھر کیا خلاف ہے فہو مذهب ہی حدیث صحیح ہی میرا مذہب ہے۔ ت، خود قولِ احناف ہے، زمانہ قراءۃ زمانہ اجتہاد و عمل بالسنہ گزرا، تخصیصِ دلیل ہے کہ جب دو تقلید آیا عمل بالسنہ نے منہ چھپایا، حالانکہ تقلیدِ ائمہ ہی عمل بالسنہ ہے اُس کا خلاف صریح فتنہ ہے

ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔

سوم اذا صح الحديث تؤمن لیا مکتبہ فقہی وصحت حدیثی میں فرق نہ کیا، خاص اس باب میں فقیر کا رسالہ الفضل الموهبی فی معنی اذا صح الحديث فیہو مذهبہ مطالعہ کیجئے کہ مطلب کھلے، شک و ریب کی ظلمت دھلے۔

چہارم اگر تلقی و القائے بیرون نماز میں صحت روایت جہر مراد، چشم مار و شن دل یا شاد، اس سے تراویح پر حکم خرط القناد، اور اگر خود مطلق نماز یا خاص تراویح میں روایت جہر کی صحت مقصود تو ممنوع و مردود، افادہ ۱۲ و ۱۳ یاد کیجئے اور خدا انصاف دے اذا صح الحديث سے اپنے عکس مراد کا فردہ لیجئے کہ حدیث صحیح ہمارے ہی ساتھ، اور خصوص تراویح میں تو آپ یک دست خالی ہاتھ۔

پنجم مذہب کو دخل نہ ہونے کی بھی ایک ہی کئی ہجرت کسی روایت صحیحہ کا وجود، مسئلہ کو مجتہد فیہا نہ رکھے یہ تو بدایتہ مردود و کتب معطلہ خلافیدیکھئے ہزاروں مسائل اجتہادیہ میں ہر فرق یا ایک ہی کے پاس ایک یا چند روایات صحیحہ موجود، ہاں نص قطعی مشہور متواتر دکھا سکے کہ بسم اللہ ہر سورت کا جُز ہے یا ختم تراویح میں ہر سورت پر اُس کا جہر چاہئے تو یہ کہنا ٹھکانے سے ہوتا کہ مذہب مسائل اجتہادیہ میں ہوتا ہے نہ ان منقولہ میں اور جب اس کی قدرت نہیں تو محض زبانی ادعاؤں سے مذہب حنفیہ رد ہو جائے عا شایہ ہوس ہی ہوس ہے۔

ششم جزئیت جمیع سورتیں اختلاف ائمہ قرارت آپ نے کہیں دیکھا یا محض طبعی جودت، افادہ ۳۴ ملاحظہ ہو کہ ماورائے فاتحہ میں قول جزئیت حادث و بے اصل ہے، افادہ ۵ معلوم ہو کہ سورۃ بقرہ سے سورۃ ناس تک بسم اللہ باتفاق قرار سورت سے خارج امارت فصل ہے۔

ہفتم ایک سو چودہ آیتوں کی کمی کس حساب سے حجتی، قرآن عظیم میں کل سورتیں اسی قدر ہیں اور برات میں بالاجماع بسم اللہ نہیں تو بسائل اوائل ایک سو تیرہ ہی رہیں، حفاظ بالاتفاق ایک بار جہر کے عامل، تو آپ کے طور پر بھی صرف ایک سو بارہ ہی کا نقصان حاصل، چودہ کس گھر سے آئیں، کیا حقد و خلع بھی دو سورتیں شمار فرمائیں، بالفرض کوئی جاہل حافظ مطلقاً تارک جہری سہی تاہم کیا برات مستثنیٰ ہو کر بھی گنتی چودہ کی چودہ ہی رہی، اس سے تو زید بیچارہ آپ کا مقلد ہی اچھا رہا جس نے کہیں کہیں اپنے خیال سے تیرہ کہا۔

ہشتم یہ تو اہل ابواکراہان یا طغوی کی خوب ہی حمایتیں فرمائیں قرارت امر منقول ہے نہ اجتہادی لہذا اُس میں کسی بد مذہب کا خلاف نہیں، سبحان اللہ مگر گراہوں کا خلاف فروعات ظنیہ اجتہادیہ سے مخصوص یا وہ اشقیاء صراطہ بدایتہ منکر صد با قواطع و قصاص و یحک یا مقہری کا نک لا تدری ما علی لسانک یجری سے فانکنت لا تدری الخ (افسوس ہے اے استاد! معلوم ہوتا ہے تجھے سمجھ نہیں جو تیری زبان پر جاری ہے، پس اگر تو سمجھ نہیں رکھتا الخبت

اور آپ تصریح کرتے ہیں کہ باتفاق مذاہب اربعہ یہاں صرف صحیح روایت پر مدار ہے، ائمہ حنفیہ کا حال تو افادہ ۸ میں ظاہر ہو گیا کہ انہوں نے کیونکر آپ کے اس مدار کا مدار نکالا، مالکیہ سے پوچھتے وہ کیا فرماتے ہیں ہمارے یہاں تو باوصف جہر سورہ اخفا ہی کا حکم تھا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب مشہور یہ کہ فرضوں میں بسم اللہ ہرگز پڑھے ہی نہیں، نہ آواز سے نہ آہستہ، روایت اباحت ضعیف ہے، پڑھے گا تو نماز مکروہ ہوگی، یاں نفلوں میں اختیار کیا انہیں اپنے شہر مبارک مدینہ طیبہ کے امام قراءت حضرت نافع کا حال معلوم نہ تھا کہ بروایت قالون بسم اللہ پڑھتے ہیں، علامہ زرقانی مالکی شرح موطائے امام مالک میں فرماتے ہیں:

المشہور من مذہب مالک کراہتہا فی
الفرض یلے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ فرضوں میں یہ مکروہ ہے (ت)

مقدمہ عثمانویہ علامہ عبد الباری منوفی رفاعی مالکی میں ہے:

المشہور فی البسملۃ والتعوذ الکراہۃ فی
الفرضۃ دون النافلۃ وعن مالک القول
بالاجاہۃ یلے لیسلم اللہ اور اعوذ باللہ کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کا پڑھنا فرضوں میں مکروہ ہے نفلوں میں مکروہ نہیں اور امام مالک سے ایک قول میں مباح ہے۔ (ت)

عمدۃ القاری میں ہے:

قال ابو عمر قال مالک لا تقر البسملۃ فی الفرض
سواء لاجہر أو فی النافلۃ ان شاء فعل وان
شاد ترک یلے ابو عمر نے کہا کہ امام مالک نے فرمایا بسم اللہ کو فرضوں میں نہ بلند آواز سے پڑھو نہ پست آواز سے، اور نفلوں میں پڑھنے نہ پڑھنے کا اختیار ہے۔ (ت)

ذرا اس تفریق کو بھی اپنے مدار سے تطبیق دیجئے۔

یازدہم تا شانزدہم تقریر شریف میں یہ فقرات عجیب ہیں کہ زمانہ قراء سبعہ زمانہ اجتہاد تھا زمانہ تابعین تھا ائمہ مذہب تا زمانہ قراء محتاج الیہ و محصور نہ تھے بلکہ بعد قراء کے تھے قراء کا مذہب پوچھنا عبث ہے، ان فقرات کو مقصود میں بھی کچھ دخل ہے یا برائے بیت ہیں جب آپ کے نزدیک اس مسئلے میں مذہب کو اصلاً دخل ہی نہیں تو زمانہ قراء زمانہ اجتہاد ہو یا عصر تقلید، عہد تابعین ہو یا وقت جدید، ائمہ مذہب اس وقت

لے شرح الزرقانی علی الموطا

لے المقدمۃ فی الفروع المالکیہ للعثاموی

لے عمدة القاری شرح بخاری باب ما یقول بعد التکبیر حدیث ۱۳۱ مطبوعہ ادارة الطباعة المنیریة بیروت ۵/ ۲۸۴

محتاج الیہم ہوں یا بیکار، معدودے چند ہوں یا بے شمار، قرأت سے سابق ہوں یا لاحق، قاری مجتہد ہوں یا مقلد، ان امور سے علاقہ ہی کیا رہا اور ان کے خلاف بھی مانے تو تفاوت کیا، فتوئے سامی میں اس سے پہلے تین چار سطر کی تقریر اس کے متعلق کہ زمانہ تبع تابعین و محدثین تک چار میں حصر مذہب نہ تھا مجتہدین بکثرت تھے جب اور مذہب مندرس ہو گئے مذہب اہل حق ان چار میں محصور ہو گیا، اور بھی ہے کہ وہ بھی محل سے یوں ہی بیگانہ و اجنبی ہے۔

ہر مذہب ہم شہوت تو دیکھے کہ قرار سب سب مجتہد مطلق تھے اگر مجتہد فی المذہب بھی ہوئے تو مذہب پوچھنا کیوں حماقت ہونے لگا۔

یہ سید ہم اُس زمانہ میں عدم حصر و کثرت مجتہدین مسلم مگر کیا اُس وقت کا ہر فرد بشر یا ہر عالم اگرچہ کسی فن کا ہو فقیہ و مجتہد تھا اس کا تو زعم نہ کرے گا مگر سخت احمق جاہل یا انتساب کو عام نہ تھا اصلاً نہ تھا اس کا بھی مدعی نہ ہو گا مگر بے خبر غافل۔ کیا امام ابو یوسف و امام محمد و غیرہما حنفیہ اور امام اشعری و امام قاسم و غیرہما مالکیہ میں معدود نہیں دکتب طبقات ملاحظہ ہوں) اور جب یقیناً قطعاً تقلید بھی تھی اختصاص بھی تھا تو اس وقت کے قاریوں کا مذہب پوچھنا کیوں حمق ہوا۔

نور و ہم در فن تاریخ ہم کمالے دارند (فن تاریخ میں بھی کمال رکھتے ہیں۔ ت) ائمہ مذہب بعد قرآن کے تھے شہب جانی دیکھئے بدور ہی میں کلام کیے نسائت میں چار ہمارے امام سے وفاتہ متاخر ہیں، امام ابو عمرو بن العلاء بصری نے ۱۵۴ھ یا ۱۵۵ھ، امام حمزہ زیارت نے ۱۵۳ھ یا ۱۵۶ھ یا ۱۵۸ھ، امام تافع مدنی نے ۱۶۹ھ، امام عسل کسائی نے ۱۸۹ھ، امام الائمہ ابو حنیفہ نے ۱۵۰ھ میں انتقال فرمایا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اور یہ امام کسائی تو ہمارے امام سے چالیس پچاس برس چھوٹے ہیں، امام کی ولادت ۸۰ھ یا ۸۷ھ میں ہے اور ان کی ۱۱۹ھ میں۔ یہ ہمارے امام کے صاحب صغیر سیدنا امام محمد کے اقران سے ہیں، دونوں صاحبوں نے ایک ہی سال انتقال فرمایا جس پر خلیفہ ہارون رشید نے کہا تھا میں نے رے میں فقہ و ادب دونوں دفن کر دئے، اب کون جاہل کہے گا کہ امام عظیم امام محمد کے بعد ہوئے ہیں۔

ستم ائمہ مذہب محتاج الیہ و محصور نہ تھے یہ خاص ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نسبت فرمایا یا مطلقاً اول تو بدابستہ عقل سے عاقل چار کبھی بھی نامحصور نہیں ہو سکتے اور ثانی اس سے بڑھ کر شیع و باطل، زمانہ صحابہ سے آج تک کوئی وقت ایسا نہ گزرا کہ ائمہ کی طرف احتیاج نہ ہو ہر زمانے میں مقلدین کا عدد مجتہدین سے بدرجہا زائد رہا ہے

عسک بلکہ ایک قول میں ولادت امام ۶۱ھ ہے کمافی و فیات الاعیان (جیسا کہ وفیات الاعیان میں ہے۔ ت) یوں تقریباً ۶۰ برس چھوٹے ہوں گے ۱۲ (م)

قوائم سے بے نیازی کیونکر ممکن بلکہ علما کی طرف حاجت تو جنت میں بھی ہوگی حالانکہ وہاں احکام تکلیفی نہیں، حدیث میں ہے
 رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اهل الجنة يحتاجون الى العلماء في الجنة
 وذلك انهم يزورون الله تعالى في كل جمعة
 فيقول لهم تمنوا على ما شئتم فيلتفتون الى
 العلماء فيقولون ماذا نتمنى فيقولون تمنوا
 عليه كذا وكذا فيهم يحتاجون اليهم في الجنة
 كما يحتاجون اليهم في الدنيا۔ مروا ابن عساکر
 عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنهما۔

بے شک اہل جنت جنت میں علماء کے محتاج ہوں گے
 یوں کہ ہر جمعہ کو انھیں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا
 مولیٰ سبحانہ تعالیٰ فرمائے گا جو جی میں آئے مجھ سے
 مانگو (اب جنت سے مکان میں جا کر کون سی حاجت
 باقی ہے کچھ سمجھ میں نہ آئے گا کیا مانگیں، علما کی طرف
 منہ کر کے کہیں گے ہم کیا تمنا کریں، وہ فرمائیں گے اپنے
 رب سے یہ مانگو تو لوگ جنت میں بھی علما کے محتاج ہونگے۔
 اس کو ابن عساکر نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے
 ذکر کیا۔

اللهم اني اسألك بعلماء امّة جيلك محمد
 صلى الله تعالى عليه وسلم ان ترحمنا بهم
 في الدنيا والاخرة وترزقنا بجاههم
 عندك العلم النافع والقلب الخاشع والعفو
 والعافية والمغفرة وصل وسلم وبارك على
 سيدنا ومولانا محمد وآله وصحبه أميين
 والحمد لله رب العالمين۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اے اللہ! میں تجھ سے تیرے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ وسلم کے علماء کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں کہ تو ہم پر
 ان کے وسیلے سے دنیا و آخرت میں رحم فرما اور ان کو جو علم
 و کرامت تیرے ہاں حاصل ہے اس کی برکت سے ہمیں
 نافع علم، خشوع والادل، معافی، عافیت اور مغفرت
 عنایت فرما اور درود و سلام اور برکت ہمارے آقا و
 مولیٰ محمد اور ان کی آل اور صحابہ پر فرما، آمین والحمد للہ
 رب العالمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ت)